اس شمارے میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے دو اہم خطابات

(۱) دینِ حق کا علمی و عملی تقاضا — (۲) اسلامی انقلاب کے مراحل

وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِیْنَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیمِ اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن — لاہور

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE
TELEPHONE : 8[illegible]512 880731

[illegible]
192-G, BLOCK-2
P.E.C.H.S., KARACHI-2
Phone: 440803

ماہنامہ

میثاق

جلد ۳۴ | جون ۱۹۸۵ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ | شمارہ ۶

ادارۂ تحریر
شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید

سالانہ زرِ تعاون
۳۰ روپے
قیمت فی شمارہ
۳ روپے

ناشر
ڈاکٹر اسرار احمد

طابع
چودھری رشید احمد

مطبع
مکتبہ جدید شارع فاطمہ جناح لاہور

مکتبہ تنظیم اسلامی
فون: ۸۵۲۶۱۱

سب آفس: ۱۱ داؤد منزل
نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی

کراچی دفتر کا فون نمبر
۲۱۶۵۸۶

مشمولات

* عرضِ احوال ——— ۳
جمیل الرحمٰن

* الھدیٰ (بائیسویں نشست) ——— ۹
سورۃ تغابن درس نمبر ۳
ڈاکٹر اسرار احمد

غلبۂ دین کا مرحلہ اوّل: علمی اور برہانی غلبہ ——— ۱۷
* ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب جمعہ

* اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم ——— ۴۹
ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

* افکار و آراء ——— ۸۹

عام طور پر ہمارے یہاں

توحید علمی و نظری — یعنی — توحید فی العقیدہ

پر تو بہت زور دیا جاتا ہے، لیکن

توحیدِ عملی

پر کما حقہٗ توجّہ نہیں دیجاتی

ڈاکٹر اسرار احمد

پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ زمر تا سورۂ شوریٰ پر تدبّر کے دوران

توحیدِ عملی کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں

یعنی: اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین کی فرضیت

کو خوب منکشف بھی فرمایا اور بیان کی توفیق بھی مرحمت فرمائی، اور

شیخ جمیل الرحمٰن کی محنت نے ان خطابات کو کتابی صورت دیدی

سائز ۱۸ × ۲۲ / ۸ ○ صفحات ۱۹۲ ○ عمدہ سفید کاغذ ○ دیدہ زیب کور

هدیہ: ۱۵ روپے، علاوہ محصول ڈاک

مکتبہ تنظیم اسلامی: ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

عرضِ احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز "ماہنامہ میثاق" کا موجودہ شمارہ بابت رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ مطابق جون ۱۹۸۵ء رمضان کے پہلے عشرے کے اختتام تک قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک مہینہ کے پہلے عشرے کو رحمت، دوسرے کو مغفرت اور تیسرے کو "عتق من النار" قرار دیا ہے جو لوگ ایمان اور احتساب کے ساتھ اس ماہ کے روزے رکھیں اور اسی کیفیت کے ساتھ قیام الیل کا اہتمام کریں ان کو مغفرت کی بشارت دی ہے۔ ایک حدیث میں جو حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا کہ "روزہ اور قرآن دونوں میدانِ حشر میں بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ عرض کرے گا: اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو دن میں کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا پس آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا: میں نے اس کو رات کو سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا، پس خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندے کے حق میں قبول کی جائے گی (اور اس کے لیے مغفرت اور جنت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا)"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ رمضان خاص اللہ کا مہینہ ہے۔ یعنی یہ وہ ماہ مبارک ہے۔ جس میں اللہ کی رحمت ٹھاٹیں مارتے ہوئے سمندر کی طرح موجزن اور جوش میں ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو پوری شرائط و آداب کے ساتھ اس ماہ میں صیام و قیام الیل کا اہتمام کر کے اللہ کی رحمت کے مستوجب قرار پائیں اور سال کے بقیہ گیارہ مہینوں میں تقویٰ کی روش اختیار کر کے اس ماہ کی برکات سے متمتع ہوں چونکہ روزوں کی فرضیت کی غایت قرآن حکیم نے تقویٰ قرار دی ہے: لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانانِ عالم کو اس ماہ کی برکات سے متمتع فرمائے۔

رمضان المبارک کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ایک رات میں لوح محفوظ سے سمائے دنیا تک قرآن مجید کا دفعۃً واحدہ نزول ہوا بخوائے آیات قرآنیہ: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔

اور اِنَّآ اَنزَلنٰہُ فِی لَیلَۃِ القَدرِ ــ اسی کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید سے امسال اوائل شعبان ہی سے مرکزی انجمن کے چند فعال اور صاحبِ دل ارکان نے "رمضان المبارک میں "مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق" نامی کتابچے کو بڑے وسیع پیمانے پر ملک بھر میں عمومی طور پر اور بالخصوص لاہور کے عوام و خواص میں پھیلانے کی مہم کی تیاری شروع کر دی تھی، چنانچہ تادمِ تحریر قریباً ساٹھ ہزار کی تعداد میں اس پمفلٹ کو طبع کرانے کے لیے فنڈز جمع ہو گئے ہیں، طباعت کا مرحلہ بھی قریباً مکمل ہو گیا ہے۔ اس کتابچے کا سرنامہ بھی بدل دیا گیا ہے اور اس پر محترم ڈاکٹر صاحب اور مرکزی انجمن کا نام بھی حذف کر دیا گیا ہے تاکہ یہ وسوسہ اندازی نہ ہو کہ یہ کام ایک شخصیت اور ایک ادارے کی شہرت کے لیے کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی توجہات اس امر کی طرف مبذول اور منعطف ہوں کہ "نوعِ انسانی پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اور اس کی رحمت کا مظہرِ اتم قرآن ہے اور ہر مسلمان پر اس کے ضمن میں کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ جن کو ادا کرنے کے لیے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ کیا ہیں؟" یہ کتابچہ لوگوں تک "ھدیۃً" بھی پہنچایا جائے گا اور قیمتاً بھی۔ اس کو وسیع پیمانے پر پھیلانے کے مقصد کے پیشِ نظر اس کی لاگت سے بھی کم محض ایک روپیہ قیمت مقرر کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں پیشِ نظر یہ ہے کہ ہمارے رفقاء پورے رمضان میں مختلف مساجد اور مجالس میں اس کتابچے کو سبقاً سبقاً پڑھانے کی بھی کوشش کریں گے مزید برآں بے شمار تعداد میں لاہور کے لیے سحر و افطار کے کلینڈر مختلف تجارتی فرموں کی طرف سے طبع کرائے گئے ہیں، جن کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ "قرآن مجید ایک مسلمان سے کیا چاہتا ہے! اس کا پہلا مطالبہ ہے کہ اسے مانا جائے ــ دوسرا مطالبہ ہے کہ اسے پڑھا جائے ـ تیسرا مطالبہ ہے کہ اُسے سمجھا جائے ــ چوتھا مطالبہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اور پانچواں مطالبہ ہے کہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے"۔ مرکزی انجمن اور تنظیم اسلامی کے متعدد کارکن اور رفقاء نے اس رمضان المبارک میں اس کام کو ایک مہتم بالشان طریق پر انجام دینے کا عزم کیا ہوا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مہم کو کامیاب سے کامیاب تر بنائے اور اس میں دامے، درمے قدمے حصہ لینے والوں کو اجرِ عظیم سے نوازے اور اس مہم کے ذریعہ اس کی کتاب عزیز فرقانِ حمید یعنی قرآن مجید کی طرف ہمارے معاشرے کی توجہات منعطف ہو جائیں ــ اگر قرآن حکیم ہمارے اذہان و قلوب میں اتر گیا تو بقول علامہ اقبال عالم یہ ہو گا:

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

قارئین میثاق کو یاد ہوگا کہ گذشتہ رمضان المبارک میں صلوٰۃ التراویح کے ہر شرویحہ میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے چار رکعتوں میں سنائے جانے والے قرآن مجید کا رواں ترجمہ اور اہم نکات کی تشریح کی تھی۔ اس طرح یہ پروگرام روزانہ قریباً رات کے دو ڈھائی بجے تک جاری رہتا تھا۔ خالص نصرتِ الٰہی سے ۲۸ راتوں میں یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا تھا۔ الحمد للہ ہماری توقع سے کہیں زیادہ حضرات نے شدید گرمی کے موسم میں اس پروگرام میں پوری دلچسپی لی اور رفتہ رفتہ شرکاء کی تعداد میں اتنا اضافہ ہوا کہ قرآن اکیڈمی کی جامع القرآن میں جگہ ملنی مشکل ہو گئی۔ بفضلہ تعالیٰ امسال جامع القرآن کی دوسری منزل تیار ہو گئی ہے اور اس طرح جگہ کے اعتبار سے قریباً دوگنا اصحاب کی شرکت کی گنجائش نکل آئی ہے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا مصمم ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ العزیز وہ امسال بھی اسی پروگرام کا اعادہ فرمائیں گے۔ توقع ہے کہ اللہ نے چاہا تو نقشِ ثانی، نقشِ اوّل سے کہیں بہتر ہوگا۔ قارئین کرام جب ان سطور کا مطالعہ کر رہے ہوں گے تو اس وقت تک ان شاء اللہ ایک تہائی قرآن حکیم کا ترجمہ اور تشریح مکمل ہو چکی ہو گی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتابِ عزیز کی دعوت، پیغام اور تعلیمات کو عام کرنے کی اہل علم وفضل کو زیادہ سے زیادہ توفیق عطا فرمائے اور ڈاکٹر صاحب کی ان مساعی کو ان کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

امسال بفضلہ تعالیٰ دعوتِ رمضان المبارک کی آمد سے قبل قرآن اکیڈمی میں ایک اور بہار آئی یعنی ہمارے ملک کے دو بزرگ علماء کرام کا قران السعدین ہوا۔ پنجاب کے مشہور صوفی منش اہلحدیث عالم دین مولانا حامی الدین لکھوی مدظلہ ۱۱ سے ۱۳ مئی ۸۵ تک قرآن اکیڈمی میں مقیم رہے۔ مولانا ماضی میں جماعتِ اسلامی کے رکن رہے ہیں اور ۱۹۵۱ء تا ۱۹۵۴ء پنجاب پراونشل اسمبلی میں جماعت اسلامی کے واحد رکن رہے ہیں موصوف موجودہ امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان نیز قومی اسمبلی کے رکن مولانا معین الدین لکھوی دامت برکاتہم کے بڑے بھائی ہیں۔ مولانا حامی الدین نے ہفتہ کو عصر و مغرب کے مابین اور اتوار کی صبح بعد نمازِ فجر اپنے مواعظِ حسنہ سے حاضرین کو مستفید فرمایا۔ مولانا محترم نے اتوار کو تنظیم اسلامی حلقہ خواتین کے اجتماع میں عصر سے مغرب تک اسلام میں عورت کے مقام پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بصیرت افروز تقریر فرمائی۔ اس موقع پر کثیر تعداد میں مرد بھی شریک تھے۔ اس کے علاوہ مولانا موصوف کی محترم ڈاکٹر صاحب، رحمت اللہ بٹر صاحب اور راقم الحروف سے متعدد نجی نشستیں ہوئیں۔ الحمد للہ مولانا مکرم نے تنظیم اسلامی کے پورے لائحہ عمل اس کے اصول و مبادی اور اس کے طریق کار سے کامل اتفاق کا اظہار فرمایا اور اپنے پورے تعاون کی پیش کش فرمائی۔ جزاک اللہ خیراً واحسن الجزاء۔

دوسرے بزرگ عالم دین، مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے فارغ التحصیل، سابق مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (بھارت) اور سابق رکن مجلس دعوت و تحقیق و نگران شعبۂ تخصص جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی نیز متعدد اہم علمی و دینی کتب کے مؤلف و مصنف جناب مولانا محمد اسحٰق صدیقی لکھنوی مدظلہ ۱۰ رمئی سے ۱۸ رمئی ۸۵ء تک قرآن اکیڈمی میں مقیم رہے۔ مولانا موصوف نے ہفتہ ۱۱ رمئی سے جمعرات ۱۶ رمئی تک بعد نماز مغرب مندرجہ موضوعات پر اپنے مواعظ حسنہ سے شرکاء کو مستفیض فرمایا۔

(۱)۔ اعتصام و اقدام۔ (۲) ایمان و امان (۳) ایمان و عرفان۔ (۴) ایمان کے تقاضے۔ (۵) صراطِ مستقیم اور استقامت (۶) وراثت کتاب اللہ ۔۔۔ مزید براں چار یوم تک مولانا نے نماز فجر کے بعد بھی اختصار کے ساتھ اپنے مواعظ سے شرکاء کو مستفید فرمایا۔

مولانا مدظلہ نے بھی تنظیم اسلامی کے لائحہ عمل سے اتفاق فرمایا اور محترم ڈاکٹر صاحب کے لیے اس کام کی کامیابی کے لیے دعاؤں اور نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا۔

ان دونوں بزرگ علماء کرام کا یہ تعاون علی الخیر ان شاء اللہ تنظیم اسلامی کی دعوت کی توسیع میں انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ ان حضرات نے پیرانہ سالی اور گرمی کے موسم میں خالصتاً للہ جو تعاون فرمایا ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس پر اپنی خاص رحمت اور اجرِ عظیم سے بہرہ مند فرمائے۔

الحمد للہ والمنۃ گذشتہ سال عید الاضحیٰ کے فوراً بعد قرآن اکیڈمی میں جو دو سالہ تدریسی کورس شروع ہوا تھا۔ اس کا پہلا تعلیمی سال شعبان المعظم ۱۴۰۵ھ کے دوسرے عشرے میں مکمل ہوگیا۔ آخری عشرے میں اس کورس میں شرکاء کا باقاعدہ امتحان لیا گیا اور وہ امتحان سے فارغ بھی ہوگئے۔ رمضان المبارک میں تعطیل رہے گی۔ شوال المکرم کے فوراً بعد ان شاء اللہ دوسرے اور آخری سال کی تعلیم کا آغاز ہو جائے گا۔ قرآن اکیڈمی میں ۸۳ء میں "قرآن اکیڈمی فیلو شپ سکیم" اور ۸۴ء میں دو سالہ تدریسی کورس کا مکمل جائزہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے قلم سے حکمتِ قرآن کے مئی کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ واضح رہے کہ حکمتِ قرآن کا وہ شمارہ جس میں دو سالہ تدریسی کورس کا جائزہ شائع ہوا تھا قریباً میثاق کے تمام خریداروں کو ارسال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو اکیڈمی کے اصل مقصد کی طرف جو ابتدائی پیش رفت ہوئی ہے وہ بتدریج جاری رہے گی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ علمی میدان میں آجائے جو موجودہ خدا ناآشنا اور ملحدانہ باطل نظریات کا قرآن مجید اور سنتِ رسولؐ، صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے محکم دلائل کی روشنی میں اعلیٰ علمی سطح پر ابطال کر سکے اور قرآنِ حکیم کی بیّنات

کے ذریعے احقاقِ حق کر سکے۔ اسلام کے بطور دین (نظامِ حیات) غلبہ کے لیے پہلے تمام باطل فلسفوں اور نظریات و افکار پر قرآن مجید کا علمی غلبہ از حد ضروری ہے۔

اسے حسنِ اتفاق کہہ لیں جبکہ ہمارے نزدیک یہ خالص مشیتِ الٰہی کا مظہر ہے کہ اس شمارے میں محترم ڈاکٹر صاحب کا وہ خطابِ جمعہ بھی شامل ہے جو موصوف نے ۵ راپریل ۸۵ کو ارشاد فرمایا تھا۔ اس خطاب میں جہاں قرآن حکیم کی دعوت اور اس کا پیغام، نہایت فکر انگیز اور مدلل طور پر سامنے آتا ہے وہاں قرآنِ حکیم کے علمی غلبہ کی اہمیت اسلام کے عملی غلبہ کے ناگزیر لازمے (Pre requisite) کے طور پر سامنے آتی ہے۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ قارئین کرام کے لیے اس خطاب کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

میٹرک اور ایف اے کے امتحان سے فارغ ہونے والے طلبہ کا نتیجہ نکلنے اور مزید تعلیم کے لیے کالجوں میں داخلہ کے حاصل کرنے کے انتظار میں قریباً ساڑھے تین ماہ کا وقت فارغ ہوتا ہے۔ اس فارغ وقت کو مفید بنانے کے لیے امسال یکم جولائی تا ۲۹ راگست قرآن اکیڈمی میں ایک دو ماہی کورس کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ ان ساٹھ دنوں میں ان طلبہ کے لیے دین کی بنیادی تعلیم کا نصاب مرتب کیا گیا ہے یہ نصاب اس شمارے میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔ توقع ہے کہ لاہور اور قریب کے شہروں کے میثاق کے وہ قارئین کرام جن کے بچوں نے امسال میٹرک کا یا ایف اے کا امتحان دیا ہے۔ اپنے بچوں کے اس فارغ وقت کو اس اہم مصروفیت میں لگا دیں گے۔ دوسرے شہروں کے بچوں کا بھی ان شاء اللہ خیر مقدم کیا جائے گا۔

الحمد للہ محترم ڈاکٹر صاحب کا لاہور اور بیرونِ لاہور دعوتی دوروں کا پروگرام حسبِ سابق جاری ہے۔ کراچی اور لاہور میں "شام الہدیٰ" کا انعقاد بھی بحسن وخوبی ہو رہا ہے۔ کوشش ہو رہی ہے کہ اسلام آباد، راولپنڈی میں بھی "شام الہدیٰ" کے انعقاد کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احقر

[illegible] عفی عنہ

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

اپنی تالیف **وحدتِ اُمت** میں اگر

○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رح اور مولانا سید انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ

کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے

تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تلنے کی مستحق ہوتی

وقت کے اہم ترین موضوع پر اِس بہترین اور مفید ترین کتاب کو

اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایان شایان طور پر شائع کیا ہے۔

بڑے سائز کے ۵۲ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور

هدیه : ۲ روپے ○ علاوہ محصول ڈاک

ڈاکٹر اسرار احمد

نے اپنی دوسری دینی اور علمی خدمات کیساتھ ساتھ شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں

ایک اصلاحی تحریک

بھی برپا کی اور خطبۂ نکاح کو صرف ایک رسم

کی بجائے واقعی تذکیر و نصیحت اور معاشرتی زندگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کا ذریعہ بنایا

اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب کی ایک اہم تحریر اور ایک خطبۂ نکاح کو دیدہ زیب کتاب کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔

بڑے سائز کے ۴۸ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور،

ہدیہ : ۴ روپے ــــــ محصول ڈاک علاوہ

ان دونوں کی زیادہ سے زیادہ اشاعت اہم قومی، ملی اور دینی فریضہ ہے

بائیسویں نشست

الہدیٰ

ایمان اور اس کے ثمرات

سورۃ تغابن کی روشنی میں

(مباحث ایمان)

ڈاکٹر اسرار احمد

کے ٹیلیویژن کے دروسِ قرآنی کا سلسلہ

سلسلے کے لیے فروری ۸۵ء کا شمارہ ملاحظہ فرمائیں

(۴)

السلام علیکم ۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امّا بعد،

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ
یَھْدِ قَلْبَہٗ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج
فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ہ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ
اِلَّا ھُوَ ط وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا
اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْھُمْ ج وَاِنْ تَعْفُوْا
وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہ
اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ط وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ہ

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ ہ

"نہیں نازل ہوتی کوئی مصیبت مگر اللہ کی اجازت سے، اور جو کوئی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اللہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول کی۔ پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔ اللہ وہ ہستی ہے جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے، پس اسی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اہل ایمان کو۔ اے اہل ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے بچ کر رہو۔ اور اگر تم معاف کر دیا کرو اور چشم پوشی سے کام لو اور بخش دیا کرو تو بے شک اللہ بھی بخشنے والا ہے اور رحم فرمانے والا ہے۔ بلاشبہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہارے حق میں فتنہ ہیں، آزمائش ہیں اور اصل اجر تو اللہ ہی کے پاس ہے۔"

معزز حاضرین اور محترم ناظرین!

ابھی آپ نے سورہ تغابن کے دوسرے رکوع کی ابتدائی پانچ آیات سماعت فرمائیں، اور آن کا ترجمہ بھی سنا۔ یہ اس سورہ مبارکہ کی آیات ۱۱ تا ۱۵ ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ میں اس سے پہلے عرض کر چکا ہوں ان آیات میں نہایت جامعیت کے ساتھ ان مضمرات کو کھولا گیا ہے جو ایمان میں مخفی ہیں یا یوں کہیئے کہ ان آیات میں ان ثمرات و نتائج کو بیان کیا گیا ہے جو ایمان کی بدولت انسان کی شخصیت میں پیدا ہونے چاہئیں، جیسے کہ آپ کو معلوم ہے کہ ایک تنومند درخت ہوتا ہے جس میں نہ پتے ہوتے ہیں نہ پھل، اور ایک مثمر درخت ہوتا ہے، جس میں برگ و بار ہیں، جس میں پھل لگے ہوئے ہوتے ہیں، تو معاذ اللہ ایمان اس تنومند درخت کے مانند نہیں ہے بلکہ یہ ایک بار آور اور مثمر درخت ہے، اس ایمان کی بات دوسری ہے جو صرف زبان کی نوک پر ہے، اور ابھی دلوں میں داخل نہ ہوا ہو لیکن جب دل میں راسخ ہو جاتا ہے، جب انسان کا باطن اس کے نور سے منور ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات، اس کے ثمرات، اس کے نتائج انسانی شخصیت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ اگر کوئی انسان سلیم الفطرت ہے۔ اس کے قلب کی زمین صالح ہے تو جب اس میں ایمان کا بیج جمتا ہے اور پھر پھوٹتا ہے تو رفتہ رفتہ اور تدریجاً وہ ایک تناور درخت کی صورت اختیار کرتا ہے، جس میں خوبصورت پتے بھی لگتے ہیں، حسنات کے، نیکیوں کے، اعمال صالحہ کے، اخلاق حسنہ کے اس میں پھل بھی لگتے ہیں اور اس کے نتیجے میں انسان کی پوری شخصیت میں ایک تغیر پیدا ہوتا ہے جیسے کہ علامہ اقبال نے کہا ہے

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد، جہاں دیگر شود

علامہ نے تو یہ قرآن مجید کے بارے میں کہا ہے۔ لیکن قرآن منبع ایمان ہے۔ لہٰذا یہی بات ایمان کے بارے میں کہی جاسکتی ہے کہ جب ایمان انسان کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اب اس کے باطن میں ایک انقلاب آجاتا ہے۔ اس کی سوچ بدل جاتی ہے، اس کا نقطۂ نظر تبدیل ہو جاتا ہے، اس کا زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے۔ اس کی اقدار تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اس کا جو بھی ہے وہ پورا تبدیل ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی روش، اس کا رویہ یہ بھی کُل کا کُل بدل کر رہ جاتا ہے

ع جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود !

اب ان پانچ آیات میں نہایت معجزنما اسلوب و انداز میں اللہ تعالیٰ نے ان بنیادی تبدیلیوں کی نشاندہی کی ہے جو ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطۂ نظر میں، اس کے زاویۂ نگاہ میں، اس کے اندازِ فکر میں اور اس کی روش اور رویہ میں ہویدا، نمایاں اور ظاہر ہو جانی چاہئیں۔ ان آیات میں ہمارے لئے ایک کسوٹی مہیا ہو جاتی ہے کہ ہم خود اس پر اپنے ایمان کو پرکھ سکیں۔ اگر یہ اثرات و ثمرات ہماری شخصیتوں میں ظاہر ہوتے ہیں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ یہ ایمانِ حقیقی کا نور ہمارے دلوں میں موجود ہے۔ اور اگر یہ ظاہر نہیں ہو رہے تو یہ گویا ایک تنبیہ ہے ایک ہے کہ ہمیں سوچنا چاہیئے کہ ہم اس ایمانِ حقیقی کی روشنی سے محروم تو نہیں ہیں۔ اب ان باتوں کو سمجھنے کے لئے جو ان آیاتِ مبارکہ میں بیان ہوئی ہیں ایک اصولی بات جان لیجئے کہ ہر شخص کی پہلی حیثیت تو ایک فرد ہونے کے اعتبار سے یوں ہے کہ کچھ حالات اور واقعات اس پر وارد ہوتے ہیں اور کچھ اعمال اس سے صادر ہوتے ہیں، ہماری ذاتی شخصیت کے یہ دو رُخ ہیں۔ کچھ حالات، واقعات، حادثات، کیفیات ہم پر وارد ہوتے ہیں۔ کبھی کوئی خوشی کی بات ہے، کبھی کوئی تکلیف دہ بات ہے جس سے ہم دوچار ہوتے رہتے ہیں۔ اس میں بھی جو چیز تکلیف دہ ہے جسے ہم مصیبت سے تعبیر کرتے ہیں، اس سے ہم زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے تو یہ بیان کیا گیا کہ ایک بندۂ مومن کا نقطۂ نظر مصائب کے بارے میں کیا ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے، ارشاد فرمایا: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ، کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی " اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ط مگر اللہ کے اذن سے ہوتی ہے" جب اللہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہے۔ اس کائنات پر وہ حکمران ہے۔ اس کے اذن کے بغیر ایک پتا تک نہیں ہلتا تو جو کچھ بھی حالات و واقعات مجھے

پیش آرہے ہیں، ظاہر بات ہے کہ وہ اتقیٰ کے علم میں ہیں اور اتقیٰ کے اذن سے ہیں۔ اب جو چیز اللہ کے اذن سے ہوا اگر مجھے اللہ پر یقین ہے، اللہ پر ایمان ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس پر شکوہ اور شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔ بقول شاعر ؎ ہر چہ ساقی مارینخت عین الطاف است۔ میرے ساقی نے میرے پیمانے میں جو بھی ڈال دیا ہے یہ اس کا کرم ہے، اس کا فضل ہے، میرے رب کو اگر میرے لئے یہی پسند ہے تو میں بھی اس پر راضی ہوں، یہ ہے وہ ثمرہ جو ایمان کے نتیجے میں انسان کے نقطہ نظر میں پیدا ہونا چاہیئے۔ اس کو کہتے ہیں تسلیم و رضا، جس کے بارے میں علامہ اقبال کہتے ہیں،

بروں کشید ز پیچاکِ ہست و بود مرا
چہ عقدہا کہ مقام رضا کشود مرا!

جب انسان اس مقام رضا پر آجاتا ہے تو اس کے احساسات و جذبات یہ ہو جاتے ہیں کہ میرے رب نے میرے لئے جو کچھ پسند کیا ہے، مجھے بھی وہی پسند ہے۔ تسلیم و رضا کی کیفیت اس کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے اور سینکڑوں ان الجھنوں سے اُسے نجات حاصل ہو جاتی ہے کہ کیوں ہوا! یہ کیسے ہوا! یہ اس نے کر دیا! یہ تکلیف مجھے اس کی وجہ سے پہنچی! اس کی سوچ اور اس کا عمل احساس محرومی (FRUSTRATION) اور تخالف (CONFLICT) میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ اسی ادھیڑ بُن میں الجھا رہتا ہے کہ ایسا کیوں ہو گیا! ایسا کیوں نہیں ہوا۔ انسان کو ان تمام چکروں سے نجات دلانے والی چیز ہے تسلیم و رضا۔ لہٰذا پہلا نتیجہ تو یہ برآمد ہوا اور اس کے لئے فرمایا، وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ، جو کچھ بھی اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والا ہوتا ہے، اللہ کے علم ازلی میں وہ پہلے سے موجود ہے۔

اب آیئے ان اعمال کی طرف جو ہم سے صادر ہوتے ہیں، ہمارے ہاتھ پاؤں، ہمارے اعضاء و جوارح ہم ان سے حرکت کرتے ہیں، بھاگ دوڑ کرتے ہیں، اس دنیا میں ہماری سعی و جہد اور ہماری تمام سرگرمیاں ہمارے ان اعمال پر مبنی ہیں جو ہمارے وجود سے صادر ہوتے ہیں، ان کے ضمن میں ایمان کا جو نتیجہ نکلنا چاہیئے اس میں مقدم ترین شے اطاعت ہے۔ آپ کے اعضاء و جوارح سے کوئی عمل اللہ کے حکم کے خلاف صادر نہ ہو، اگر اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اللہ کو مانا ہے تو آپ کوئی کام اور کوئی حرکت ایسی نہ کریں، جس سے اللہ کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو، آپ کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہ نکلے جو اللہ کو ناپسند ہو ——— پھر معاملہ صرف اللہ کا نہیں ہے، ارشاد فرمایا، اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ، "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی (صلی اللہ علیہ وسلم) تم نے مانا ہے اللہ

کو اور تم نے مانا ہے اس کے رسول کو (صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان کا لازمی نتیجہ یہ نکلنا چاہیئے کہ تمہارے اعضا وجوارح سے جو اعمال وافعال صادر ہوں، وہ سب کے سب اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہوں۔ یہ ایمان کا لازمی دوسرا نتیجہ ہے۔ اس پر تنبیہہ فرمادی کہ اگر یہ نہیں کرتے، فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ پس اگر یہ پیٹھ موڑلیں، روگردانی کریں، اطاعت کی روش اختیار نہ کریں" تو اے نبیؐ ان کو سنا دیجئے کہ: فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ "ہمارے رسول پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے"۔

ہمارے وجود سے صادر ہونے والے اعمال وافعال کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے۔ اس کو بھی یہاں واضح فرمادیا گیا۔ ایمان کے نتیجے میں ہمارا سارا بھروسہ، ہمارا سارا تکیہ، ہمارا سارا توکل اللہ کی ذات پر ہونا چاہیئے۔ اگرچہ اس دنیا میں ہم اسباب سے مستغنی نہیں ہوسکتے۔ مادی وسائل وذرائع ہمیں استعمال کرنے ہوں گے۔ بلکہ قرآن مجید میں تاکیدی حکم ہوا ہے۔ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ

"اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے پوری تیاری کرو۔ جو ساز وسامان فراہم کرسکتے ہو، فراہم کرو، لیکن تمہارا توکل، تمہارا اعتماد، تمہارا بھروسہ، تمہارا تکیہ ان اسباب ووسائل پر نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی ذات پر ہو۔ ہوگا وہ جو اللہ چاہے گا۔ اپنی سی محنت کرو، کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دو۔ لیکن اگر تم نے بھروسہ اپنی محنت، اپنی تیاری پر کیا، اپنے ساز وسامان پر کیا، مادی وسائل واسباب پر کیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کی ذات سے تمہاری نگاہیں ہٹ گئیں ——— ایمان کے نتیجے میں محنت اپنی جگہ ہے، کوشش اپنی جگہ ہے۔ اسباب ووسائل کا استعمال لازمی ہے۔ لیکن توکل صرف اور صرف اللہ کی ذات پر ہوگا، اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ اللہ ہی ہے وہ ذات جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی ولی نہیں، کوئی نصیر نہیں، کوئی دستگیر نہیں، کوئی پشت پناہ اور مددگار نہیں، کوئی حامی نہیں لہٰذا اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے"۔

اب ذرا ایک فرد سے آگے آیئے۔ انسان اس دنیا میں بہت سے تعلقات میں جکڑا ہوا ہے اس کے والدین ہیں، اس کے بھائی ہیں، بہنیں ہیں، اس کی بیوی ہے، اس کے بچے ہیں، اس کے رشتہ دار ہیں، اس کے اعزہ واقارب ہیں۔ ان سب کو ایک لفظ میں جمع کرلیجئے۔ وہ ہے علائقِ دنیوی ——— اس کے بہت سے دائرے ہوں گے۔ سب سے پہلا دائرہ ہے، والدین، بیوی، اولاد، بھائی بہن۔ انسان کی دنیوی زندگی کے تعلقات کا یہ سب سے پہلا اور مقدم دائرہ ہے، اس کے بعد رشتہ داروں کا دائرہ ہے۔ یہاں تک کہ پوری نوعِ انسانی تک یہ سلسلہ منتج ہوجائے

گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں اس تمدن و تہذیب کی گاڑی کو چلانے کے لئے کچھ فطری محبتیں انسان کے قلب میں ڈال دی ہیں، والدین کی محبت ہے، بیوی کی محبت ہے، اولاد کی محبت ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان محبتوں میں سب سے زیادہ قوی محبت ہے بیویوں کی محبت اور اولاد کی محبت اس محبت کی طرف اگلی آیت میں اشارہ فرمایا کہ یہی محبت کسی وقت انسان کے لئے دشمنی کا روپ دھار لیتی ہے اس میں POTENTIAL DANGER مضمر ہے۔ بالقوۃ فطرۃً موجود ہے۔ اگر آخرت نہ ہوتی تب تو کوئی پرواہ کی بات نہ ہوتی۔ پھر تو بیویوں کی تمام فرمائشیں پوری کرے، چاہے حلال سے کرے چاہے حرام سے کرے۔ اولاد کو اچھے سے اچھا کھلائے اور پہنائے، چاہے جائز ذرائع سے آمدنی ہو چاہے ناجائز ذرائع سے آمدنی ہو۔ جب یہ حقیقت تمہارے سامنے آ گئی کہ یہ زندگی عارضی زندگی ہے، بہت مختصر زندگی ہے۔ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ وہی اصل و حقیقی کامیابی اور جیت کی زندگی ہے: ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ۔ اس سے متعلق پچھلی نشست میں ہم قدرے وضاحت سے گفتگو کر چکے ہیں۔ تو اب اگر تم نے اپنی بیویوں اور اولاد کی محبت سے مغلوب اور مجبور ہو کر اللہ کی حرام کردہ چیزوں پر منہ مارا۔ ناجائز آمدنیوں کے راستوں کا رُخ کیا، ان کو عیش کرانے کے لئے، ان کی فرمائشیں پورا کرنے کے لئے ان کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تم نے اگر حلال و حرام کی تمیز کو مٹا دیا۔ جائز و ناجائز کا خیال نہ رکھا تو جان لو کہ یہ محبت نہیں دشمنی ہے لہذا ارشاد ہوتا ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ "اے اہل ایمان! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولادیں تمہارے دشمن ہیں۔ پس ان سے بچ کر رہو، چوکس رہو، چوکنا رہو، ہوشیار رہو، خبردار رہو، مبادا غفلت میں یہ محبت تمہاری عاقبت کی بربادی کا ذریعہ بن جائے۔" چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بڑا ہی نادان ہے وہ شخص جس نے دوسروں کی دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت تباہ و برباد کرا دی" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)۔

اسی آیت مبارکہ کے آخری ٹکڑے میں جہاں فصاحت و بلاغت کا کمال ہے وہاں ایک صحیح رویّہ اختیار کرنے کے لئے نہایت پُر زور دعوت اور استدلال ہے۔ وہ یہ کہ جہاں زور دیا گیا کہ تمہاری بیویوں اور اولادیں تمہارے دشمن ہیں POTENTIAL ENEMIES ہیں وہاں دوسری طرف اس کو متوازن اور BALANCE کیا گیا کہ یہ جو گھر گرہستی کی زندگی ہے یہ اکھاڑہ نہ بن جائے یہ میدان جنگ کا سماں پیش نہ کرے۔ لہذا ارشاد فرمایا: وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا۔

یہ نہیں کہ ہر وقت ہی لڑائی ہے، گھر میں فساد کا ہر لحظہ نقشہ جما ہوا ہے۔ ہر دم خشونت ہے، درشتگی ہے، سختی ہے۔ اور محبت و شفقت اور نرمی کا بالکل ظہور ہی نہ ہو۔ نہیں۔ خود اپنے آپ کو تو محفوظ رکھو، خود چوکس اور چوکنا رہو، کہیں غفلت میں ان کی محبت تم سے کوئی غلط کام نہ کرا لے۔ لیکن ان کی خطاؤں سے چشم پوشی بھی کیا کرو، درگزر بھی کیا کرو، ان کو معاف بھی کر دیا کرو، بخش بھی دیا کرو اس لئے کہ ؛ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ "اللہ بھی معاف فرمانے اور رحم فرمانے والا ہے" تم اس کی مغفرت اور رحمت کے طالب ہو تو اپنے اندر بھی ان صفات کا مظاہرہ کرو۔

آج کے سبق کی آخری آیت میں اولاد کے ساتھ مال کو جمع کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا؛ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ۔ اولاد کو دونوں جگہ لایا گیا۔ بیویوں سے محبت ہوتی ہے اور اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے لیکن مال پر بھروسہ ہوتا ہے اور اولاد پر بھی بھروسہ ہوتا ہے، انسان اس سے اپنی بڑی توقعات وابستہ کئے ہوتا ہے۔ اپنے بڑھاپے کے لئے بہت سی امیدیں اس سے وابستہ کئے ہوتا ہے، یہاں فرمایا کہ تمہارے یہ مال اور تمہاری یہ اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں، کسوٹی ہیں جن پر تم کو پرکھا جا رہا ہے کہ آیا تم ان کی محبت میں مبتلا ہو کر، ان کی محبت سے مغلوب ہو کر اللہ کو بھول جاتے ہو اور اپنی عاقبت کو برباد کر لیتے ہو۔ جیسے سورۃ منافقون میں فرمایا؛ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ۔ اے اہل ایمان! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں"۔ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ "اور جو یہ کرے گا تو وہ بڑے خسارے پانے والوں میں سے ہو جائے گا" یہاں فرمایا؛ اِنَّمَآ اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ ۔ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ امیدیں وابستہ کرنی ہیں تو اللہ سے کرو، امیدوں کو پورا کرنے والا، امیدوں کو بر لانے والا، تمہاری محنت کی صحیح اجرت ادا کرنے والا، حقیقت میں اللہ ہی ہے ——— دنیا میں جو تم اپنے آپ کو کر رہے ہو، اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہو، اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں کھپا رہے ہو، اگر اپنی قوتوں اور اپنے اوقات کو اللہ کے ہاتھ بیچو، اس کے احکام کو بجالاؤ، اس کے نواہی سے خود کو بچاؤ تو وہ تمہیں بہترین قیمت اور اجرت دینے والا ہے۔ عمدہ، اعلیٰ اجر اسی کے پاس ہے۔ وَاللّٰہُ عِنْدَہٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔

یہ ہیں وہ پانچ آیات، جن میں گویا کہ ایمان کے نتیجے میں انسانی شخصیت میں جو تغیرات پیدا ہو جانے چاہئیں، انھیں نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اب ذرا ذہن میں

لایئے گا یہ بات کہ سورۃ آل عمران میں ایمان کی بحث آئی اور ایمان کا نتیجہ عمل کی شکل میں بھی آیا۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا۔ سورہ نور میں ایمان کی تمثیل اور تشبیہ آئی اور اس کے نتائج بھی آگئے۔ یاد الٰہی ہے، نماز کا مقام ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی ہے رقتِ قلب ہے، اس دن کے تصور سے لرزاں و ترساں رہنا ہے جس دن دل الٹ جائیں گے اور آنکھیں پلٹ جائیں گی، سورۃ تغابن کے پہلے رکوع میں ایمان کا بیان آگیا اور ایمان کے تین ابعاد کا (THREE DIMENSIONS) ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کا جامعیت کے ساتھ ذکر آگیا۔ اس کے بعد ایمان کے ثمرات کا بیان ہوگیا اور بتا دیا گیا کہ ایمان کے نتیجہ میں ایک بندۂ مومن کی باطنی کیفیات کیا ہو جانی چاہئیں، اس کے نقطۂ نظر میں کیا انقلاب آجانا چاہیئے۔ ان پانچ آیات کے ذریعے امور بھی جامعیت کے ساتھ ہمارے سامنے آگئے۔

اب اس ضمن میں کوئی سوال یا اشکال ہو تو میں حاضر ہوں۔

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب اس سورت میں اولاد کو فتنہ کہا گیا ہے۔ دوسری سورتوں میں نعمت کہا گیا ہے۔ اس تضاد کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: یہ بہت عمدہ سوال ہے۔ جیسا کہ میں نے کئی مرتبہ عرض کیا کہ ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ انسان کو اس دنیا میں جو کچھ عطا فرمایا جاتا ہے اس کا ایک رُخ یہ ہے کہ وہ نعمت ہے لیکن اسی کا دوسرا رُخ یہ ہے کہ اس کو اس نعمت کا حساب دینا ہوگا، اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس اعتبار سے اگر آپ دیکھیں گے کہ جس کے پاس مال کم ہے اسے حساب بھی کم دینا ہوگا۔ جس کے پاس مال زیادہ ہے اسے حساب بھی زیادہ دینا ہوگا، گویا تمام دنیوی نعمتیں ہمارے محاسبۂ اخروی کی بنیاد بن جائیں گی، جن پر ہم جانچے اور پرکھے جا رہے ہیں۔ فتنہ عربی زبان میں کسوٹی کو کہتے ہیں، جس پر سونے کو رگڑ کر ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ یہ خالص سونا ہے یا اس میں کوئی کھوٹ بھی ہے۔ تو یہی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعہ سے ہمیں اللہ تعالیٰ آزما رہا ہے، پرکھ رہا ہے۔ اس اعتبار سے دنیا کی ہر نعمت فتنہ ہو جاتے گی۔ مال اور اولاد خاص طور پر وہ چیزیں ہیں، جن کی محبت سے مغلوب ہو کر انسان حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی تمیز اٹھا دیتا ہے۔ لہٰذا ان کا بالخصوص یہاں ذکر کر دیا گیا جن کے ذریعہ سے انسان کی جانچ، پرکھ اور آزمائش ہو رہی ہے۔

(بقیہ ص ۴۷ پر)

غلبۂ دین کا مرحلۂ اوّل

علمی اور برہانی غلبہ

ڈاکٹر اسرار احمد

(خطاب جمعہ ۵ اپریل ۸۵ء)

الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصًا علٰی افضلہم خاتم النبیین محمد بن الامین وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد

فقد قال اللہ تبارک وتعالٰی فی سورۃ محمدٍ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (آیت ۷)

وقال تبارک وتعالٰی فی سورۃ ال عمران

اِنْ یَّنْصُرْکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمْ وَاِنْ یَّخْذُلْکُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِہٖ (آیت ۱۶۰)

وقال عزّ اسمہ فی سورۃ الحدید

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَہُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (آیت ۲۵)

وقال اللہ تعالٰی فی سورۃ التوبۃ وسورۃ الفتح وسورۃ الصف،

ہُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْہُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۭ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَہُوْا قَوْلِیْ ــــ

حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ پچھلے جمعہ میں قریباً نصف وقت تو تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع اور اس کے ساتھ مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام محاضرات قرآنی کے انعقاد کے تذکرے اور ان کی کیفیات و ثمرات اور نتائج کے بیان میں صرف ہوا تھا بقیہ نصف وقت میں میں نے مظفر آباد آزاد کشمیر سے انجمن کے محاضرات میں شرکت کے لیے تشریف لانے والے ایک عالم دین، مولانا سید مظفر حسین ندوی کے حوالہ سے یہ بات عرض کی تھی اس وقت ہمارے ملک کے جو اندرونی اور بیرونی حالات ہیں وہ ہمارے سامنے ہیں۔ بیرونی خطرات کے متعلق اندازہ ہوتا ہے کہ دن بدن بڑھ رہے ہیں۔ روس کا رویہ سخت سے سخت تر ہوتا نظر آرہا ہے۔ اس پر چہ میگوئیاں واشنگٹن تک میں ہو رہی ہیں۔ اس کا مادی سطح پر جو ظاہری علاج ہے جسے لوگ سوچ سکتے ہیں وہ ہمارے بھی ارباب بست و کشاد سوچ رہے ہیں یہ کہ امریکہ سے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کی جائے۔ اس کی کیا قیمت ہمیں اپنے بین الاقوامی تعلقات میں دینی پڑے گی! یہ علاحدہ مسئلہ ہے میں اس پر دانستہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا اس لیے کہ یہ بڑے نازک اور حساس موضوعات ہیں۔

ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کا تجویز کردہ نسخہ

بہرحال یہ مسائل اور ان پر سوچ بچار تو خالص مادی سطح کی ہیں۔ ان پر مختلف نقطہ ہائے نظر سے کوئی اتفاق کرے یا اختلاف کرے اس کے لیے میدان کھلا ہے۔ ہمارے یہاں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہماری موجودہ پالیسی غلط ہے بلکہ ہمیں روس کے ساتھ اور افغانستان کی جو بھی حکومت فی الوقت موجود ہے اس کے ساتھ مذاکرات کرنے چاہئیں لیکن نہ صرف ہماری حکومت کا بلکہ اکثر مسلمان حکومتوں کا یہ موقف ہے کہ ہم روس کی مدد سے برسر اقتدار آنے والی حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتے اور براہ راست گفت و شنید کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اس حکومت کو تسلیم کر لیا۔ بہرحال یہ تو وہ بات ہے کہ جس کے حق میں اور خلاف بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن جو بات مولانا مظفر حسین ندوی مدظلہ نے فرمائی تھی وہ مجھے بہت پسند آئی تھی۔ بات سامنے کی ہوتی ہے لیکن وہی بات کسی وقت برمحل کہی جائے، موقع کی مناسبت سے کہی جائے تو اس کے اندر ایک تاثیر ہوتی ہے۔ میں نے چونکہ خود اس کی تاثیر کو محسوس کیا تھا لہٰذا میں نے چاہا تھا کہ اس تاثیر میں آپ حضرات کو بھی شریک کروں چنانچہ گذشتہ جمعہ کو میں ان کے حوالہ سے یہ کام کر چکا ہوں بطور اعادہ عرض ہے کہ انہوں نے ہمارے مسائل کے لیے جو سادہ نسخہ تجویز فرمایا ہے وہ قرآن مجید کی دو آیات سے ماخوذ ہے، ایک سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آیت نمبر ۷ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝ "اے اہلِ ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدموں کو جما دے گا، انہیں ثبات عطا فرمائے گا"۔ یہ بالکل دو اور دو چار کی طرح کی بات ہے تم اللہ کی مدد چاہتے ہو تو اس کی مدد کرو۔ اس کے ساتھ سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۰ جمع کر لیجیے: اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا"۔ لیکن وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ "اور اگر تمہاری ناہنجاری کی وجہ سے، تمہاری بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے وہ جو تمہاری مدد کر سکے گا اس کے بعد!"۔ یہ ہے وہ نسخہ جو ان دو آیات کے حوالہ سے مولانا موصوف نے بیان کیا تھا۔ یہ نسخہ سادہ بھی ہے اور مجرّب بھی۔ بشرطیکہ یقین ہو اور اللہ کی مدد کی جائے جیسے کہ اس کی مدد کا حق ہے۔ اس کی مدد سے کیا مراد ہے! اُسے میں تفصیل سے پچھلے جمعہ کو بیان کر چکا ہوں[1] کہ وہ ہے اس کے دین کی مدد۔ اس کے دین کو غالب کرنے کی جدّوجہد۔ ظاہر بات ہے کہ اس کے لیے پہلے ہمیں اپنی انفرادی زندگیوں کو اللہ اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و احکامات کے مطابق سنوارنا اور صحیح کرنا ہوگا۔ ہم خود صحیح معنوں میں بندۂ مسلم و مومن بن جائیں اور اپنے ماحول کو، اپنے معاشرے کو، اپنے ملک کے نظام کو اللہ کے دین کے مطابق اور اس کے تابع کرنے کی جدوجہد کریں گے، اس کے لیے تن من دھن لگائیں گے تو یہ اللہ کی مدد شمار ہو گی۔ اور اس صورت میں ہم اللہ کی مدد کے مستحق بن جائیں گے۔ یہ ہے تیر بہدف نسخہ۔ تمام دنیوی سہارے چاہے وہ امریکہ ہو، کوئی اور ہو وہ ضمنی طور پر مفید ہو سکتے ہیں حقیقی اور کلّی طور پر نہیں ہو سکتے۔ پھر امریکہ کی ماضی قریب کی ایک تاریخ ہے اس نے ویٹ نام میں ایک مرتبہ دھوکہ کھا لیا ہے۔ لہٰذا آئندہ وہ کبھی دھوکہ نہیں کھائے گا۔ وہ کسی کے لیے لڑے گا نہیں۔ لڑنے مرنے کے لیے آپ تیار ہوں تو وہ اسلحہ سے کچھ مدد کر دے تو کر دے وہ بھی سسکا سسکا کر جیسا کہ وہ افغانستان کے مجاہدین کے ساتھ کر رہا ہے۔ کھل کر مدد کرنے کے معاملات کو حتمی طور پر طے کرانے کی پوزیشن میں لے آئے وہ اس کی پالیسی نہیں ہے۔ اور کچھ پتہ نہیں کہ امریکہ کی حقیقی پالیسی ہے کیا! ہو سکتا ہے کہ جیسے گذشتہ جنگِ عظیم کے بعد یالٹا میں بیٹھ کر سپر پاورز کے مابین سودے بازی ہو گئی تھی ایسے ہی پھر یہ سپر پاورز بیٹھ کر کچھ لین دین کر لیں اور افغانستان کو ایک سودے کی حیثیت سے استعمال کر لیں۔ سپر پاورز پر اعتماد کرنا ہماری بہت بڑی نادانی ہے۔ ہمیں تو جو حقیقی مقتدرِ اعلیٰ (Supreme Power) ہے یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ اس کی مدد

---

[1] یہ خطاب مکمل طور پر میثاق کے مئی ۸۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے (مرتب)

درکار ہے۔ اگر ہمیں کوئی سہارا لینا ہے تو اس کا لینا ہے۔ ہمیں انتہائی قابلِ اعتماد مدد درکار ہے تو وہ صرف اور صرف اسی کی ہو سکتی ہے: نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

تم اللہ کی مدد کرو اللہ تمہاری مدد کریگا۔

میں نے عرض کیا کہ اس نسخہ میں اللہ کی مدد سے مُراد اللہ کے دین کے غلبہ اور سربلندی کی جدوجہد ہے۔ گذشتہ جمعہ کو یہ بات میں سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ کے حوالہ سے جس کی میں نے آج بھی آغاز میں تلاوت کی ہے اور سورہ صف کی آخری آیت کی روشنی میں قدرے تفصیل سے بیان کر چکا ہوں کہ تم اللہ کے دین کو غالب کرنے کی سعی وجہد میں اپنا تن، من دھن لگا دو۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر بن جائے گا۔ اسی ضمن میں پچھلی مرتبہ میں دو حدیثیں بھی آپ کو سُنا چکا ہوں کہ تم اللہ کے کام میں لگ جاؤ، اللہ تمہارے کام میں لگ جائے گا۔ یہ انفرادی طور پر بھی درست ہے اور اجتماعی سطح پر بھی درست ہے کہ جو شخص آخرت کے ایک مسئلہ میں اپنے تمام تفکرات کو مدغم کر دے تو اس کے دنیا کے سارے مسائل کا سارا ذمہ اللہ لے لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنے بھائی کی کسی حاجت کو پُورا کرنے میں لگ جائے اللہ اس کی ضرورت پُوری کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جب اللہ کی غیرت کا معاملہ یہ ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی ضرورت پُوری کرنے میں لگ جائے تو وہ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے تو جو لوگ اللہ کے دین کے غلبہ کے کام میں لگ جائیں تو ان کے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہو گا! یہی بات سورہ صف کی آخری آیت اور سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں بیان ہوئی ہے جس کو میں گذشتہ جمعہ کو بیان کر چکا ہوں۔

بعثتِ رسل اور انزالِ کتاب و میزان

آج میں پچھلی گفتگو ہی کو مزید آگے بڑھانا چاہتا ہوں۔ پچھلی مرتبہ میں سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ کی وضاحت کر چکا ہوں۔ آج اسی کی مزید توضیح و تشریح پیشِ نظر ہے۔ اس آیتِ مبارکہ کی میں نے آج بھی آغاز میں تلاوت کی ہے کہ: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ "بلاشبہ اور بالیقین ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو **بیّنات** کے ساتھ"۔ بیّنات جمع ہے بیّنہ کی۔ بیّن کا لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ بڑی بیّن بات ہے کیوں سمجھ میں نہیں آ رہی ــــ بیّن کہتے ہیں ایسی چیز کو جو بالکل روشن ہو از خود واضح ہو۔ اُسے اپنے ثبوت کے لیے کسی اور خارجی شہادت اور دلیل کی احتیاج نہ ہو۔ اس کے لیے فارسی کا مشہور محاورہ ہے بڑا خوبصورت اور مسکت ہے کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب"

سورج طلوع ہو جائے تو وہ اپنے وجود پر خود ہی دلیل ہے۔ آپ کسی اور دلیل سے اس کے وجود کو ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو کوئی شک تو شاید پیدا کر دیں۔ یقین پیدا کرنا مشکل ہوگا۔

بیّنات سے مُراد

یہاں بیّنات سے مُراد کیا ہے! اس ضمن میں ایک بات تو قطعی ہے کہ اس سے مراد ہیں معجزات ۔ جو اللہ تعالیٰ اپنے رسُولوں کو معجزات عطا فرماتا رہا ہے۔ یہ اس نوع کا معاملہ ہے جیسے آپ کو دنیا کا یہ رواج معلوم ہے کہ کسی دوسرے ملک کا سفیر جب ہمارے یہاں آتا ہے تو وہ اپنے سفیر مقرر ہونے کی اپنے ملک کی حکومت کی طرف سے جاری کردہ اسناد پیش کرتا ہے۔ اللہ کے رسُول چونکہ اللہ کے سفیر ہوتے تھے، اللہ کے ایلچی ہوتے تھے، اللہ کے پیغامبر ہوتے تھے۔ انسانوں کے مابین اللہ کی نمائندگی اس زمین پر کرنا ان کا فرض منصبی ہوا کرتا تھا۔ لہٰذا وہ جب رسالت کے منصب پر فائز ہوتے تھے تو 'اسناد' لے کر آتے تھے۔ ان کی اسناد ان کے معجزات ہوا کرتے تھے۔ وہ چند ایسی چیزیں دکھاتے تھے کہ جن کے بارے میں قطعی طور پر یقین ہو جاتا تھا کہ یہ کسی انسان کی قدرت کی بات نہیں ہے۔ یقیناً کوئی بالاتر طاقت ہے جس کے حکم سے یہ خرقِ عادت واقعہ ظاہر ہوا۔ جس کی قدرت سے۔ انسانوں کو عاجز کرنے والا یہ معاملہ ظہور پذیر ہوا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء اور ید بیضاء۔ جیسے دمِ عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آنجنابؑ کی پھونک میں تاثیر تھی۔ پھر آنجنابؑ کے اور بے شمار معجزات ہیں۔ یہاں تک کہ خلقِ حیات بھی ہے کہ مٹی سے پرندے کا پُتلا بنایا اور پھونک ماری اور اڑتا ہوا پرندہ ہو گیا۔ احیاءِ موتیٰ بھی ہے۔ قرآن کی گواہی ہے کہ آپ نے اللہ کے حکم سے مردے کو بھی جلایا۔ پھر جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی۔ ایک چٹان میں سے گابھن اونٹنی برآمد ہو گئی۔ تو یہ وہ معجزات ہیں جنہیں کسی بھی قانونِ طبعیہ کے تحت EXPLAIN نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی کوئی بھی سائنٹیفک توضیح ممکن ہی نہیں ہے۔ یہ معجزات درحقیقت ثبوت ہوتے تھے کہ ان کو پیش کرنے والی نیک سیرت و نیک کردار شخصیتیں کسی بالاتر اقتدار اور بالاتر مقتدر اور کسی قاہر و قادر ہستی کے نمائندے بن کر آئے ہیں۔ لہٰذا معجزات کو قرآنِ مجید میں بیّنات سے تعبیر کیا گیا ہے یہ بات تو قطعی ہے۔ اس کے علاوہ وہ اعلیٰ ترین بنیادی تعلیمات، براہین، استدلالات اور حکمت جو فطرت انسانی کی بالکل جانی پہچانی باتیں ہیں۔ جو حقائق انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ ہیں۔ جن کو بدیہیاتِ فطرت کہا جاتا ہے۔ وہ سب مل کر البیّنہ بن جاتی ہیں کہ اگر انسان کی فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو۔ اس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی نہ پڑ گئی ہو تو اس کا دل، اس کی عقل، اس کا شعور، اس کا ذہن پکار اٹھتا ہے یہ چیزیں کسی انسان کے

ذہن کی اختراع نہیں ہو سکتیں۔ ان کا معلم وہ ہستی ہی ہو سکتی ہے جو بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ہو اور جو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہو۔ آسمانی الہامی کتابوں میں منطقی استدلال آپ کو بہت کم ملے گا۔ ملے گا تو ثانوی بلکہ ثالثی درجے میں جاکر کہیں ملے گا۔ رسولوں کی جو اصل تعلیمات ہیں وہ فطرتِ انسانی کی ایسی جانی پہچانی باتیں ہیں کہ کوئی بھی سنے خواہ وہ دھقان ہو، کاشت کار ہو، مزدور ہو، وہ ان پڑھ ہو۔ وہ عرب کا بدو ہو۔ وہ کوئی عالم فاضل ہو، مفکر اور فلسفی ہو تو اس کا دل گواہی دے کہ یہ حق ہے۔ اس کو بھی 'بینات' کہا جائے گا۔

انزالِ کتاب اور میزان

فرمایا: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ۔ "اور نازل فرمائی ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ کتاب اور میزان بھی"۔ کتاب کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ تورات، انجیل زبور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔ اور الکتاب، مکمل کتاب، آخری کتاب، تا قیام قیامت لفظاً محفوظ رہنے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ اس کتاب کے علاوہ میزان ایک دوسری شے ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میزان ایک آلہ ہے جس سے وزن کرتے ہیں۔ مفعال کے وزن پر 'وزن' سے 'موزان' بننا چاہیے۔ 'و' بدل گیا 'ی' سے اور میزان بن گیا۔ یہ لفظ اسی معنیٰ میں اردو میں بھی مستعمل ہے۔ میزانِ عدل بھی ہوتی ہے اور میزان وہ بھی ہے جسے دھرم کنڈا بولتے ہیں، ترازو کہتے ہیں۔ الغرض ہر تولنے والی چیز میزان ہے۔ مفہوم یہ ہوا کہ میزان کسی شے کے تولنے اور وزن کرکے تعین کا آلہ ہے۔ یہ المیزان درحقیقت وہ شریعت کا نظام ہے۔ جس میں سب کے حقوق اور فرائض کو تول دیا گیا ہے۔ کس کی کیا ذمہ داری ہے اور اُسے کیا کرنا ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں۔ فرائض وحقوق کا سارا معاملہ ہے۔ اس میں عدم توازن نہیں ہونا چاہیے: اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ ۝ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ "میزان میں زیادتی نہ کرو۔ حد سے تجاوز نہ کرو اور عدل وانصاف کے ساتھ میزان قائم رکھو اور وزن کو گھٹاؤ نہیں" اگر فرائض وحقوق کی اس میزان میں کچھ ذرا ادھر اُدھر ہو گیا، مزدور کو اس کا جائز حق نہ ملا اور سرمایہ دار اپنے حق سے سو گنے سے بھی زیادہ لے گیا ع 'انتہائی سادگی سے کھا گیا مزدور مات' والا معاملہ اگر ہو گیا تو ایک وقت آئے گا کہ مزدور سرمایہ داری کے نظام کا تختہ الٹ دے گا۔ تصادم ہوگا اور بڑا خونین تصادم ہوگا۔ جہاں بھی اس نوع کا انقلاب آیا ہے وہاں بڑا خون ریز انقلاب آیا ہے۔ اگر عورتوں کو ان کے وہ جائز حقوق نہیں دیے گئے جو شریعت ان کو دیتی ہے تو وہی عورتیں پھر سینہ تان کر مقابلہ میں

اگر کھڑی ہو نگیں اور شریعت کے حدود و قیود سے تجاوز کر جائیں گی۔ اصول یہ ہے کہ ہر ظلم کا ایک ردِ عمل ہوتا ہے۔ ظلم کے ردِ عمل کے بارے میں یہ بات نوٹ کر لیجیے کہ اس ضمن میں قرآن حکیم بڑا زبردست رویہ اختیار کرتا ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ: "اللہ تعالیٰ کو یہ بالکل پسند نہیں ہے کہ بُری بات بلند آواز سے کہی جائے سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو" اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نرمی اختیار فرمائے گا، دکھی دل سے جو صدا نکلی ہو اگر اس میں کچھ تلخی بھی ہو، اس میں اگر آداب اور حدود و قیود کا پاس نہ رکھا جا سکے تو بھی اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں نرمی برتے گا جس کے ساتھ ظلم ہوا ہو۔ تو اس سے اندازہ کر لیجئے کہ جہاں بھی ظلم ہوگا وہاں جلد یا بدیر اس کا ردِ عمل ہو گا۔

الصراط المستقیم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ زمین پر نقشہ کھینچ کر ایک بڑی پیاری اور پُر حکمت بات سمجھائی۔ آپؐ نے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس کو کاٹنے والے آڑے ترچھے خطوط کھینچے، ایک دائیں سے آیا اور اس کو کاٹتا ہوا بائیں کو چلا گیا، ایک بائیں سے آیا اس کو کاٹتا ہوا دائیں کو چلا گیا۔ یہ جو حضورؐ نے نقشہ کشی فرمائی تو عجیب طریقے سے آپؐ نے تمدن کا جو نظام چلتا ہے اور جس طریقہ سے افراط و تفریط کے دھکوں سے نوعِ انسانی کو دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کی نہایت قابلِ فہم اور بہترین تصویر کشی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی ۔ سیدھا خط تو وہ صراطِ مستقیم ہے جو صرف اللہ دے سکتا ہے کسی اور کے بس میں ہے ہی نہیں۔ وہ ہدایت، وہ صراط السوی، وہ سواء السبیل تو ظاہر بات ہے کہ وہی ہستی دے سکتی ہے کہ جو بالکل غیر جانب دار ہو۔ سرمایہ دار نظام بنائے گا تو مزدور کو پیسے گا، اس کے حقوق کو پامال کرے گا اپنے مفادات کا تحفظ کرے گا مزدور نظام بنائے گا تو سرمایہ دار پر ظلم کرے گا اپنے حقوق کا زیادہ سے زیادہ پاس رکھے گا۔ آپ کی پارلیمنٹ میں زمیندار اکثریت میں ہوں گے جیسے کہ عموماً ہوتے ہیں تو وہ جو نظام بنائیں گے ظاہر بات ہے کہ وہ کسانوں کو ان کے جائز حقوق دینے سے رہے۔ آپ ان سے یہ توقع نہ رکھیں وہ تو اپنے مفادات کا تحفظ کریں گے۔ اور اگر کہیں کسان برگشتہ ہو گئے اور REVOLT میں کھڑے ہو گئے تو وہ جو زیادتیاں کریں گے۔ ان کا اندازہ بہت سے ممالک کے حالات و واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔ اگر عورتوں کے ہاتھ میں اختیار آگیا تو وہ تو وہ نظام بنائیں گی جو کسی زمانہ میں قلوپطرہ نے بنایا تھا۔ پس دنیا میں افراط و تفریط کا یہ معاملہ ہوتا رہے گا۔ مبنی بر عدل و قسط و انصاف نظام تو صرف وہ ہستی بنا سکتی ہے جو قطعاً غیر جانب دار ہو۔ وہ ہستی کون

ہو سکتی ہے! سوائے اللہ کے ایسی کوئی دوسری ہستی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا صراطِ مستقیم دینے والا تو صرف ایک ہے اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اسی لیے ہم اُسی سے نماز کی ہر رکعت میں مانگتے ہیں:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝

میدانِ حشر کا الصراط

اب اس صراطِ المستقیم کو یوں سمجھئے کہ یہ اس دنیا میں تو وہ راہِ ہدایت ہے جس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں انسان کی عافیت ہے۔ اس کے بعد میدانِ حشر میں یہی 'پل صراط' ہو جائے گا یعنی الصراط۔ پھر یہی ہوگا جو جنت یا جہنم میں پہنچا دیگا۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے تو جیسے وہ پل صراط ہے تو حقیقت میں اس دنیا میں بھی یہ صراطِ مستقیم بہت باریک ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں متضاد تقاضوں اور متصادم مفادات کے مابین جب آپ توازن قائم کریں گے تو وہ توازن بہت باریک ہوگا ؎

نرسانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت یہ کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری میں

ذرا سا عدم توازن اِسے درہم برہم کر دے گا۔ اس لیے کہ ہر قدم پر متضاد و متصادم تقاضے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ جیومیٹری میں خط کی کیا تعریف ہے؟ آپ لائن کسے کہتے ہیں! خط وہ ہے جس کی صرف ایک DIMENSION ہے۔ صرف طول LENGHT ہے۔ عرض BREDTH کوئی نہیں۔ اگرچہ ممکن نہیں۔ آپ باریک ترین پنسل سے بھی خط کھینچیں گے تو آخر اس کی کچھ نہ کچھ چوڑائی ہوگی۔ لیکن نظری طور پر خط اُسی کو کہتے ہیں جس کا عرض کوئی نہ ہو۔ ایسے ہی نقطہ اُسے کہتے ہیں جس کی ہر سے کوئی DIMENSION ہے ہی نہیں۔ اُسے خالص نظری شے مانا جاتا ہے حالانکہ آپ باریک سے باریک پنسل سے بھی جب نقطہ لگائیں گے تو وہ ہوگا تب ہی تو نظر آئے گا نہ ہوگا تو نظر کہاں سے آ جائے گا! لیکن نقطہ کو نظری شے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح خط کی صرف ایک DIMENSION مانی جاتی ہے اور وہ طول ہے اس کا عرض کوئی نہیں ــــ بعینہٖ یہ معاملہ صراطِ مستقیم کا ہے اور اس دنیا کا یہی صراطِ مستقیم حشر کے میدان میں الصراط بنے گا جسکو سمجھانے کے لیے ہمارے واعظین کہا کرتے ہیں کہ "پل صراط" بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔

غلط راستوں کی بھول بھلیاں

اب ہوتا کیا ہے! یہ کہ جو غلط راستے ہیں۔ دائیں بائیں سے آتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ آئیں گے

الصراط کی طرف۔ اس لیے کہ فطرتِ انسانی مجبور کرتی ہے کہ کہاں جا رہے ہو! فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ "تم کدھر جا رہے ہو لوٹو"۔ وہ لوٹتے ہیں وہ الصراط تک آئیں گے لیکن چونکہ آنکھیں کھلی ہوئی نہیں ہیں کہ جان لیں کہ ہم الصراط پر آ گئے بلکہ ؎ شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برگ، کے مصداق وہ اپنے اُسی زورِ حرکت میں (MOMENTUM) اس صراطِ مستقیم کو عبور کر جاتے ہیں، جو دائیں سے چلے وہ بائیں کو نکل گئے اور جو بائیں سے چلے وہ دائیں کو نکل گئے۔ سب کائیں گے اسی صراطِ مستقیم کو، لامحالہ آئیں گے۔ اسی کی طرف۔ پھر ایک مقام تک پہونچ کر انہیں ہوش آئے گا کہ ہم یہ کیا حماقت کر بیٹھے ہیں! ہم تو ایک غلط انتہا تک آ گئے، پھر وہ صراطِ مستقیم کی طرف مراجعت کریں گے۔ وہ مقناطیس ان کو اپنی طرف کھینچے گا ——— اس میں کشش ہے، اس لیے کہ وہ فطرت کا راستہ ہے۔ اُس سے بہت دور جا نہیں سکتے۔ دائیں بائیں جائیں گے پھر لوٹیں گے لیکن اس صراطِ مستقیم پر رُکتے اور ٹکتے نہیں ہیں۔ پھر اِدھر اُدھر نکل جاتے ہیں۔ اسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نقشہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سمجھایا کہ صراطِ مستقیم تو بالکل سیدھا راستہ ہے، دائیں بائیں نکل جانے والے راستے درحقیقت ترغیباتِ دنیا ہیں خواہشاتِ نفس ہیں اور شیطانی اغواء ہے ان کے باعث انسان افراط و تفریط کی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا اور ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہ ہیں وہ غلط راستے جو دنیا میں تمدنی ارتقا کی بدولت بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ اب ان حالات میں وہ میزان نصب کرنی ہے جو صحیح صحیح تول کر بتا دے کہ کس کے فرائض کیا ہیں اور حقوق کیا ہیں! تو یہاں تک تین چیزوں کا بیان ہوا جو اللہ نے نازل فرمائیں: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ۔

ارسالِ رُسل اور انزالِ کتاب و میزان کی غایت

اس سے آگے ہے وہ کانٹے کی بات: لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ "تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں"۔ یہاں حرفِ جار لام، لامِ غایت ہے۔ آیتِ کریمہ کے اس حصہ میں بیّنات کے ساتھ رسولوں کی بعثت اور ان کے ساتھ انزالِ کتاب و میزان کی غرض و غایت کو انتہائی بلاغت و فصاحت سے بیان فرمایا گیا ہے کہ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ــ اس سلسلۃ الذہب کا اصل مقصد ایک ایسے اجتماعی نظام کا قیام و نفاذ ہے جس کے ذریعہ سے لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں۔ اللہ کی نازل کردہ میزان نصب ہو تاکہ اس میں انسان کے حقوق و فرائض کو تولا جائے۔ میزان کے نصب کرنے کا فائدہ تو تب ہی ظاہر ہوگا جبکہ اس سے تولنے کا کام لیا جائے۔ اگر اس میزان سے تولنے کا کام نہ لیا جائے بلکہ اس کے برخلاف کسی کو خوب ہاتھ کھول کر دیا جائے، کسی کو مٹھی بھر دیدیا جائے کسی کو خالی ہاتھ ٹرخا دیا جائے۔

تو اس 'میزان' کا کیا فائدہ ہے؟ اس کا حقیقی فائدہ تو تب ہی حاصل ہوگا جب اسے نصب بھی کیا جائے اور جس کو جو کچھ ملے، اس میزان میں تُل کر ملے۔

المیزان ـــــ نظامِ عدل وقسط

اب ظاہر بات ہے کہ اس میزان کو نصب کرنے میں کون رکاوٹ ڈالے گا؟ رکاوٹ وہ لوگ ڈالیں گے جو اپنے حق سے زاید لے رہے ہیں یہ بالکل فطری بات ہے۔ لیکن جب عدل ہوگا تو جنہوں نے اپنے حق سے زاید لیا ہے، ان سے وصول کیا جائے گا اور جو محروم ہیں انہیں دیا جائے گا: فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ اور اگر وہ اپنی مرضی سے نہیں دیں گے تو زبردستی لیا جائے گا۔ چنانچہ آپ کو معلوم ہے کہ زکوٰۃ کے لیے فرمایا گیا کہ جبر سے لی جائے گی، خلافتِ صدیقی میں انکار کیا گیا تو انکار کرنے والوں کو مرتد قرار دیا گیا اور ان کے ساتھ قتال کیا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح فرمان ہے: تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِيَآئِهِمْ وَتُرَدُّ اِلٰى فُقَرَآئِهِمْ۔

انزالِ حدید ـــــ اس کی غایت

پس یہ ہے میزان۔ اس کو نصب کرنے میں جو لوگ آڑے آئیں، ٹھیک ہے کہ پہلے انہیں دلیل سے سمجھاؤ، برہان سے سمجھاؤ، ان کو قائل کرو۔ ان میں کچھ شریف لوگ ایسے ہو سکتے ہیں جو تسلیم کر لیں، کچھ لوگ ایسے ہو سکتے ہیں کہ جن کی سوئی ہوئی انسانیت جاگ جائے۔ لہٰذا دلیل سے، برہان سے، اپیل سے، افہام سے، تفہیم سے، دعوت سے، تبلیغ سے اتمامِ حجت کرو۔ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں پہلے بات سمجھائی تو ہوتی، تم تو فوراً ہی ڈنڈا لے کر سر پر مسلط ہو گئے، تم نے پہلے ہمیں سمجھایا تو ہوتا۔ ہمارے مغالطوں کو دور کرنے کی کوشش تو کی ہوتی، ہماری آنکھوں کے پردے کچھ ہٹائے تو ہوتے۔ لہٰذا پہلے سے ایسے تمام عذرات کو رفع کرنے کی بھرپور کوشش ہو، اتمامِ حجت ہو جائے، پھر بھی اگر وہ اڑے رہیں اور لاتوں کے بھوت اگر باتوں سے نہ مانیں تو پھر طاقت استعمال کرو۔ چنانچہ آگے فرمایا وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا ہے جس سے اسلحہ بنتا ہے، جس میں جنگ کی صلاحیت ہے اور بڑی شدید صلاحیت ہے: بَاْسٌ شَدِيْدٌ۔ اور اس لوہے میں لوگوں کے لیے دوسرے منافع بھی ہیں، جن کے متعلق میں عرض کیا کرتا ہوں کہ تمدن کے فائدے کی بے شمار چیزیں اس لوہے سے بنتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس لوہے کے نزول کا جو اصل مقصد ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی اُس میزانِ خداوندی کو نصب کرنے کے لیے سر سے کفن باندھ لیں اور اس کے لیے تن من دھن لگانے کے لیے آمادہ ہو جائیں وہ اس لوہے کی طاقت کو استعمال کریں اور

ان لوگوں کی سرکوبی کریں جو اس راہ میں رکاوٹ بنیں۔

ایمان کی کسوٹی

اسی آیت میں آگے ارشاد ہوتا ہے: وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ "اور اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون ہے جو مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی اللہ سے غیب میں رہتے ہوئے" ـــــ یہی اصل میں اس نے اپنے بندوں کی وفاداری کا ایک معیار معین فرمایا ہے کہ جو اس کے دین پر ایمان لائے ہوں جو اس کے رسولوں کو مانتے ہوں، جو اس کی کتابوں پر یقین رکھتے ہوں، وہ اُس کی نازل کردہ میزان کو نصب کرنے کے لیے اپنا تن من دھن لگا دیں تو وہ ہیں اس کے وفادار بندے ـــ اور یہ ہیں وہ لوگ جن سے کہا گیا: كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ ط "اللہ کے مددگار بنو" ـــــ سورہ حدید کی زیر گفتگو آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظ مبارکہ پر: اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ "بے شک اللہ قوی ہے زور آور ہے زبردست اور غالب ہے" یعنی اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ کی راہ میں اور اللہ کی نازل کردہ میزان نصب کرنے کی تعلیم و ترغیب اس لیے نہیں دی جا رہی کہ معاذ اللہ وہ تمہاری مدد کا محتاج ہے، اس القوی العزیز کو تمہاری مدد کی کیا حاجت! البتہ تمہاری وفاداری کا امتحان مقصود ہے تاکہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں ان کو وہ فوز و فلاح سے ہم کنار فرمائے۔ یہ ہے سورہ حدید کی آیت نمبر ۲۵ کا حاصل ـــ اور میں آپ سے یہ عرض کر دوں کہ یہ آیت مبارکہ واقعتاً قرآن مجید کی اہم ترین آیات میں سے ہے۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی امتیازی شان

اب ذرا اس سے آگے چلیے۔ اس آیت مبارکہ کا اسلوب عمومی انداز (Generalization) کا ہے۔ ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر اس میں رسولوں کی بعثت کا مقصد، ان کو معجزات دیے جانے کا مقصد، کتاب و میزان اور حدید یعنی لوہے کے نزول کا مقصد بیان ہوا ہے۔ یہی مفہوم، یہی مضمون معین طور پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے امتیازی مقصد کے ذکر کے طور پر قرآن حکیم میں تین جگہ آتا ہے۔ وہاں الفاظ میں حضورؐ کی یہ امتیازی شان نہایت نکھر کر اور واضح ہو کر آئی ہے۔ یہ مضمون خوب ابھر کر آیا ہے: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ ـــ اب یہاں رسول واحد ہے۔ وہاں کیا تھا لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا ـ وہاں رُسُل جمع کا صیغہ تھا ـ یہاں رسول واحد کے صیغہ میں آیا۔ ترجمہ ہوا "وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو (صلی اللہ علیہ وسلم) بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ

"الھدیٰ اور دینِ الحق کے ساتھ"۔ وہاں کیا تھا! تین لفظ بِالْبَیِّنٰتِ اور : وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ۔ نوٹ کرنے کی بات ہے یہ بڑا اہم نکتہ ہے کہ یہاں آکر دو چیزیں رہ گئی ہیں۔ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ۔ اس کی وجہ کیا ہے! یہاں بینات اور کتاب جمع ہو گئی ہیں "الھدیٰ" میں، اس لیے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل معجزہ قرآن مجید ہی ہے۔ ویسے حضورؐ کے حسّی معجزات بھی ہیں اور خرقِ عادت اور کرامات کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں لیکن آپؐ کا محسوس و مشہود اور تاقیامِ قیامت موجود رہنے والا معجزہ قرآن مجید ہے، جس میں چیلنج کیا گیا ہے، جس میں تحدی ہے اور یہ اُس دور کے خطباء، ادباء، شعراء کے لیے نہیں تھی بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا" اور اگر تم شک میں ہو اس کلام کے بارے میں جو اتارا ہے ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اِس جیسی اور بلا لو ان کو جو تمہارے مددگار ہوں اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے"۔ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ) سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا کہ اے نبی فرما دیجئے کہ تم اس کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکو گے چاہے انس و جن مجتمع ہو کر کوشش کریں کہ اس جیسا قرآن لائیں ہرگز نہیں لا سکیں گے چاہے ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں"۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ۝ اس سے بھی نیچے اتریں، اسے کہتے ہیں بر سبیلِ تنزل۔ "تم کہتے ہو کہ معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قرآن گھڑ لیا ہے تو چلو پورے قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکتے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ: اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ"۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اے نبی تم بنا لائے ہو اس قرآن کو؟۔ تو ان سے کہہ دو کہ تم بھی ایسی دس سورتیں ہی بنا کر لے آؤ"۔ یہ سورہ ہود میں فرمایا گیا کہ ایک سو چودہ نہیں دس سورتیں تو اس جیسی تصنیف کر کے دکھا دو۔ اتمامِ حجت کے طور پر معاملہ اور نیچے اترا بر سبیلِ تنزل۔ یہ سورہ یونس میں ہے۔ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ۔ بنی اسرائیل، ہود اور یونس یہ مکی سورتیں ہیں، مدنی دور میں پھر اس چیلنج کا، اس تحدی کا اعادہ کیا گیا، وہ آیت میں آپ کو سنا چکا ہوں۔ تو یہ ہے وجہ کہ یہاں بینات اور کتاب کو 'الھدیٰ' میں جمع کر دیا گیا اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں الھدیٰ سے مراد قرآن مجید ہے۔ لہٰذا یہاں البیّنہ اور الکتاب کو 'الھدیٰ' کا نام دے دیا گیا۔ اور حضورؐ کے ساتھ دوسری چیز کیا بھیجی گئی: دین الحق۔ اس لیے

کہ وہ میزان اب ایک مکمل نظام کی شکل میں آگئی۔ میں اس مسئلہ پر کئی مرتبہ تقاریر میں بھی عرض کر چکا ہوں اور میرا جو ایک کتابچہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت" کے نام سے موجود ہے اس میں میں نے اس بات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ چونکہ انسانی تمدن کئی ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔ کبھی محض قبائلی نظام تھا۔ پھر اس سے آگے چل کر شہری ریاستیں (CITY STATES) قائم ہوئیں۔ پھر بڑی سلطنتیں (EMPIRES) قائم ہوئیں۔ اب آپ کو معلوم ہے کہ عمرانیات میں ریاست (STATE) کا تصور کچھ ہے اور حکومت (GOVERNMENT) کا تصور کچھ اور ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس ارتقاء کی مناسبت سے احکام بھی ارتقائی منازل سے گزرتے رہے۔ ابھی تمدن کی بے شمار پیچیدگیاں پیدا نہیں ہوئی تھیں لہٰذا فرائض و حقوق کے توازن کے لیے موٹے موٹے احکام کافی تھے۔ معاملہ ذرا آگے بڑھا تو اُسی مناسبت سے تفصیلی احکام دے دیئے گئے۔ لیکن جس دور میں تمدنِ انسانی اپنے عروج کو پہونچنے والا تھا اور ایک مکمل اجتماعی نظام کا تصور سامنے آنے والا تھا تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "دین الحق" دے کر بھیجا گیا۔ یہ دینِ حق ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ زندگی کے جملہ انفرادی و اجتماعی گوشوں پر محیط نظام کو کامل کر دیا گیا جناب محمد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ یہ گویا میزان کی تکمیلی شکل ہے۔

اسی لیے قرآن مجید میں نبی اکرمؐ کی اس امتیازی شان کو ایک شوشہ کی تبدیلی کے بغیر تین مقامات، سورہ توبہ، سورہ فتح اور سورہ صف میں بایں الفاظ فرمایا گیا: هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ "وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول کو الھدیٰ اور دین الحق کے ساتھ تاکہ غالب کرے اس کو کل کے کل دین (نظام اطاعت) پر"۔ اس آیت مبارکہ پر متعدد بار گفتگو ہوئی ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس پر میرا ایک مضمون بھی کتابی شکل میں موجود ہے لہٰذا میں اس کی مزید تشریح کی طرف نہیں جاؤں گا۔ جن کو دلچسپی پیدا ہوئی ہو ان سے عرض ہے کہ میرے اس کتابچہ کا مطالعہ فرمائیں ــــ یہاں جس نکتہ کو مجھے واضح کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ظاہر بات ہے کہ نظامِ حیات کی حیثیت سے دینِ حق کو غالب کرنے کے مراحل تو وہی ہوں گے جو کسی انقلابی نظریہ اور فلسفہ کے مطابق اجتماعی نظام کو یکسر بدلنے کے ہوتے ہیں۔ جن کے تکمیلی مراحل میں آخری مرحلہ ہے مسلح تصادم۔ تکمیلی مراحل میں اقدام سے لے کر جہاد و قتال سب ہی شامل ہیں۔ سورہ صف کا مرکزی مضمون ہی جہاد و قتال ہے۔ اس سورہ مبارکہ کی چوتھی آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ "بے شک اللہ کو تو اپنے وہ بندے محبوب ہیں جو جنگ کرتے

ہیں اس کی راہ میں صفیں باندھ کر گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔ سورہ حدید کی آیت میں جو وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ کے الفاظ مبارکہ آئے تھے یہ آیت گویا کہ ان الفاظ کی شرح ہے۔ تو قتال سے سورہ صف شروع ہوئی ہے لیکن آگے چل کر جہاد کی اہمیت بیان فرمائی ہے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ۔ کسی دعوت کے آغاز ہی میں قتال شروع نہیں ہو جاتا، یہ تو جہاد کی بلند ترین چوٹی ہے۔ البتہ جہاد بالکل آغاز ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ مکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کیا وہ قتال نہیں تھا جہاد تھا۔ جدوجہد، کشمکش، دعوت، تبلیغ، اس کے نتیجہ میں تنظیم۔ پھر تربیت و تزکیہ نیز تعلیم اور صبر محض کی تلقین — یہ تمام کام بارہ برس تک مسلسل ہوتے رہے، یہ تمام کام جہاد کے ذیل میں آئیں گے۔ اگرچہ قتال کا مرحلہ مدینہ میں جا کر شروع ہوا ہے۔ پس جہاد و قتال یہ حق و باطل کے مابین کشمکش و کشاکش کے مراحل ہیں اس کو میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں، اس ضمن میں اس وقت اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ اسی کشمکش، اسی جہاد، اسی سعی و جہد کو سورہ صف کی آخری آیت میں نصرت سے تعبیر کیا گیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ یہ ہے وہ نصرتِ الٰہی جہاں سے ہماری آج کی گفتگو شروع ہوئی تھی۔

الھدیٰ اور دین الحق کے معانی و مفاھیم

اب میں تھوڑی سی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ اظہار دین الحق کا ایک مفہوم جو بہت سے علماء کرام اور مفسرین عظام نے بیان کیا ہے وہ ہے دین حق کا علی غلبہ — استدلالی غلبہ، دنیا کے بقیہ جتنے بھی نظام ہائے حیات ہیں ان کا کوئی نہ کوئی فلسفہ اور نظریہ ہے۔ کوئی نہ کوئی اصول و مبادی ہیں، جن پر کوئی نظام قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا ان سب پر اسلام کے دین حق ہونے کی علمی، فکری اور استدلالی طور پر فوقیت ثابت کرنا، یہ ہے اظہار دین الحق علی الدین کلہ کا مفہوم و مقصود بہت سے علماء کرام اور مفسرین عظام کے نزدیک — ایک اعتبار سے بات صحیح ہے کہ جب تک دنیا کے دوسرے نظریات، اصول و مبادی اور فلسفوں پر اسلامی نظام کے فلسفہ اور اصول و مبادی کا غلبہ نہ ہو، بالفعل دین حق کے غلبہ کا بھی امکان نہیں ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ تو اس کی بنیادی شرط (PREREQUISITE) ہے۔ اس کے بغیر دین حق کا غلبہ نہیں ہو سکتا — لیکن اس ضمن میں، میں اپنے حقیر مطالعہ اور غور و فکر کے نتیجہ میں قائم کردہ اپنی ذاتی رائے پیش کر رہا ہوں کہ اصل میں اس کا تعلق الھدیٰ سے ہے۔ درحقیقت الھدیٰ یعنی قرآن حکیم علمی اور استدلالی غلبہ

کی اساس و بنیاد ہے علمی، فکری اور استدلالی غلبہ، الحدید یعنی اسلحہ کی قوت اور قتال کے ذریعہ سے نہیں ہوتا۔ سورہ حدید میں جو الحدید اور سورہ صف میں جو قتال کے الفاظ آئے ہیں، وہ علمی غلبہ کے لیے نہیں ہیں۔ وہ تو عبارت ہیں اسلام کو ایک دین، ایک نظامِ حیات کی حیثیت سے غالب کرنے سے۔ اس کو نظر انداز کر دینا درست نہیں ہے۔ ہمارے یہاں یہ کچھ نظر انداز ہوا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے! یہ کہ تمام تفاسیر کب لکھی گئیں! جبکہ مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، جبکہ اسلامی قانون نافذ تھا۔ چاہے وہ دورِ بنو امیہ کا ہو چاہے وہ دورِ بنو عباس کا ہو۔ بلکہ تفاسیر، تدوینِ حدیث، تدوینِ فقہ، مغازی اور دیگر علوم کی ترتیب و تدوین کا اکثر و بیشتر کام دورِ بنو عباس میں ہوا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دورِ بنو امیہ میں ان کاموں کا آغاز ہو گیا تھا۔ یہ وہ ادوار ہیں کہ ان میں اگرچہ تشکیل حکومت کی سطح پر گڑبڑ ہو گئی تھی اور عوامی و شورائی خلافت کے بجائے موروثی "خلافت" چل رہی تھی۔ یکے بعد دیگرے نامزد "خلفاء" کا سلسلہ چل رہا تھا۔ اگرچہ ان میں چند متقی و متدین لوگ بھی تھے لیکن اکثر و بیشتر کا کردار دنیا دارانہ تھا جیسے دنیا میں دوسرے بادشاہ تھے۔ ویسے ہی یہ "خلفاء" بھی تھے۔ بعض پہلوؤں سے بہتر ہوں گے لیکن اکثریت کے محلوں میں وہی کچھ ہوتا تھا جو دنیا میں دوسرے بادشاہوں کے محلات میں ہوتا ہے۔ تو اُوپر کی سطح پر گڑبڑ ہو گئی تھی، لیکن بہر حال ایسے بھی باہمت لوگ اٹھتے رہے جنہوں نے اس اُوپر کی سطح کی گڑبڑ کو بھی چیلنج کیا اور اس کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کی کوششوں میں اپنی جانیں دیدیں، اپنی گردنیں کٹوا دیں۔ معاملہ ذرا ایک قدم نیچے آ رہا تھا کہ حضرت حسین ابنِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان میں آ گئے تھے، حضرت عبداللہ ابنِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میدان میں آ گئے تھے۔ ان کو کوئی غلط نہیں کہہ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ اختلاف کیا جا سکتا ہے کہ وہ ابھی اقدام نہ کرتے بلکہ پہلے تنقید کرتے، اصلاح کی کوشش کرتے۔ رائے عامہ کو ہموار کرتے۔ پھر اقدام کرتے۔۔۔

یہ دوسری بات ہے لیکن یہ بات کہ ان حضرات والا قدر کا اقدام خلاف اسلام قرار دیا جا سکتا ہے! معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ اس کا کوئی تصور ہم نہیں کر سکتے۔ یہ معاملہ بالکل علاحدہ ہے۔ لیکن بالفعل قانونِ شریعت کا نفاذ ہے، حدود اللہ کی تنفیذ ہو رہی ہے، فقہاء ہیں، مفتیانِ کرام ہیں، قاضی حضرات ہیں شرعی عدالتیں ہیں، شریعت کے مطابق کام چل رہا ہے۔ اس اعتبار سے اب جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ اکثر و بیشتر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے، اور جو چیز کسی وجہ سے حاصل نہیں ہوتی نگاہیں اس پر جم جاتی ہیں۔ یہ اصل سبب ہے کہ متقدمین کی اکثر تفاسیر میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس آیتِ مبارکہ کے ان الفاظ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی تشریح میں صرف علی غلبہ کا ذکر کر کے رہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز حاصل ہے اس کا ذکر کرنا اور اس پر زور دینا غیر ضروری ہے۔ اس کو منطق میں کہتے ہیں تحصیل حاصل

— جو چیز آپ کو حاصل ہے اس کو حاصل کرنے کی آپ کوشش کر رہے ہیں یہ فضول کام ہے۔ یہ انسان کی فطری کمزوریوں میں سے ہے کہ جو چیز ہمیشہ آپ کے سامنے ہوگی اس طرف دھیان نہیں جائے گا۔ یہ آپ کا تجربہ ہوگا کہ اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہوتی۔ لیکن کوئی نئی چیز ہوگی تو وہ فوراً آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرے گی۔ پس جو چیز دوام کے ساتھ سامنے رہتی ہو، اس کی طرف سے ذہول ہو جاتا ہے۔ اور جو نئی چیز سامنے آتی ہے اس کی طرف توجہ کا ارتکاز ہوتا ہے۔ اس باعث ہمارے متقدمین نے اظہار دین الحق کی تشریح و تفسیر میں اس سے علمی، نظری، فکری غلبہ مراد لیا ہے۔ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ علمی غلبہ کے بغیر نظام کے غلبہ کا امکان ہی نہیں ہے لہٰذا یہ تو شرط لازم ہے۔ دلیل و برہان کے میدان میں اگر آپ باطل کو شکست نہیں دیں گے تو میدانِ جنگ میں بھی آپ اس کو شکست نہیں دے سکتے۔ وہ پہلی شرط ہے۔ لہٰذا علمی و فکری غلبہ کا معاملہ بھی اپنی جگہ نہایت اہم ہے بلکہ نظام کے غلبہ کے لوازم میں سے ہے۔

قرآن کے مخاطبینِ اوّل

میں اپنی اس رائے کے حق میں کہ علمی و فکری غلبہ کا تعلق دین الحق سے نہیں بلکہ الھدیٰ یعنی قرآن مجید سے ہے مزید کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آغازِ وحی کے وقت عرب میں تین گروہ آباد تھے۔ جو قرآن حکیم اور جناب محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین مخاطب تھے۔ پہلا گروہ تھا مشرکینِ عرب کا۔ عام طور پر انہیں بنو اسمٰعیل کہہ دیا جاتا ہے لیکن وہ سب کے سب بنو اسمٰعیل نہیں تھے۔ ان میں دوسرے قبائل بھی تھے، جیسے مدینہ کے انصار کے اوس و خزرج کے قبائل یمنی تھے۔ وہ بنو اسمٰعیل میں سے نہیں تھے۔ مکہ میں قریش کا قبیلہ بنو اسمٰعیل میں سے تھا۔ حاصل یہ کہ عرب کے جملہ قبائل کو بنو اسمٰعیل میں شامل سمجھ لیجئے اگرچہ ماہرانہ رائے کے بموجب عرب کے اصل قدیم باشندے ان کو بھی نہیں مانا جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اصل وطن عرب نہیں تھا۔ وہ تو عراق کے رہنے والے تھے۔ ان کا مولد شہر اُر سلطنت کلدانیہ کا صدر مقام تھا۔ پھر آنجنابؑ کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ ہجرت کے بعد فلسطین میں گزرا ہے۔ حجاز میں تو آپؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو آباد کیا تھا: رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ لہٰذا ان کو عربِ مستعربہ کہا جاتا ہے۔ یہ عرب بن گئے تھے، اصل عرب نہیں تھے۔ ہاں یمن کے قبائل مدینہ کے اوس و خزرج کے قبائل اور عرب کے مختلف علاقوں میں بسنے والے اکثر قبائل اصل اور قدیم عرب ہیں۔ انہیں عرب عاربہ کہا جاتا ہے۔ بہرحال ایک گروہ تو ان عربوں کا تھا

خواہ وہ عرب عاربہ ہوں یا عرب مستعربہ ۔ یہ تو اکثر و بیشتر مشرکین تھے ۔ دوسرا گروہ یہود کا تھا۔ مدینہ ان کا بڑا مضبوط گڑھ تھا۔ وہاں تین قبیلے بنو قینقاع۔ بنو نضیر اور بنو قریظہ ۔ آباد تھے۔ یہ تینوں کافی خوش حال قبیلے تھے۔ اور ان کی اہل یثرب پر (ہجرت کے بعد جو مدینۃ النبی کہلایا اور اب مدینہ منورہ کہا جاتا ہے) معاشی گرفت بہت مضبوط تھی۔ ذرا شمال میں خیبر خالص یہودیوں کی بستی تھی، اس میں کئی مضبوط گڑھیاں (چھوٹے قلعے) بنے ہوئے تھے ۔ پھر نجران کے علاقہ میں نصاریٰ کثیر تعداد میں آباد تھے۔ یمن میں کافی طویل عرصہ تک عیسائیوں کی حکومت رہی ہے وہ اس لیے کہ یمن کے بالکل مقابل سمندر پار حبشہ کا ملک تھا۔ جہاں عیسائی حکومت اس وقت بھی موجود تھی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ہے۔ البتہ اس وقت یمن سلطنت کسریٰ یعنی ایران کے ایک مقبوضہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

مشرکین عرب پر علمی غلبہ

لہٰذا یہ تین گروہ، یہ تین طبقات تھے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت کا آغاز فرمایا۔ اب آپ دیکھئے کہ مکی قرآن نے سب سے پہلا تو علمی، فکری یا فتی غلبہ اس دعویٰ کے ساتھ حاصل کیا کہ آؤ اس قرآن کا مقابلہ کرو۔ یہ پہلا غلبہ ہے۔ اس دعویٰ اور اس چیلنج کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔ جھوٹ موٹ کو بھی کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ کھڑا ہو جاتا کہ دیکھو میں مقابلے کا قرآن لے آیا ہوں ۔۔۔ اس شرافت کی ان مشرکین مکہ کو داد دینی چاہیئے۔ ان کے اندر یہ شرافت موجود تھی ۔ مثلاً حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا اس دور کا مشہور واقعہ ہے جبکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ اس وقت جب قیصر روم کے پاس نبی اکرمؐ کا دعوتِ اسلام کا نامہ مبارک پہنچا ہے تو اس نے پتہ کیا کہ فی الوقت عرب سے کوئی قافلہ آیا ہوا ہے یا نہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیان ایک قافلہ لے کر غزہ آئے ہوئے ہیں جو قبیلہ کے سردار بھی ہیں چنانچہ ان کو غزہ سے یروشلم (بیت المقدس) بلوایا گیا چونکہ ان دنوں قیصر روم یروشلم آیا ہوا تھا اور وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کیا معاملہ ہے! یہ کون صاحب ہیں جنہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور دعوتی خط بھیجا ہے۔ ہرقل قیصر روم ہونے کیساتھ ساتھ کتب سماوی تورات، زبور، انجیل کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے نامہ مبارک ہی سے پہچان لیا تھا کہ جن نبی آخر الزمان کی پیشین گوئیاں ان کتابوں میں موجود ہیں ان کا ظہور ہو گیا ہے اور یہ وہ نبی ہیں۔ لیکن چاہتا یہ تھا کہ صرف میں ہی ایمان نہ لاؤں، میرے جو اعیان دعمائدین مملکت ہیں۔ جو میرے سپہ سالار ہیں، میرے دربار میں جو بڑے بڑے رھبان واحبار ہیں، جن کے ستون پر میری حکومت قائم ہے، وہ سب بھی ایمان لے آئیں تاکہ ہمارا نظام برقرار رہے۔ اگر میں اکیلا ایمان لے آیا تو مجھے تو یہ لوگ تخت سے اٹھا پھینکیں گے۔ پس حکومت

اس کے پاؤں کی بیڑی بن گئی۔ اس نے اس خیال سے ابوسفیان کو بھرے دربار میں بلایا تاکہ سوال وجواب کے ذریعہ سے حقیقت حال تمام درباریوں پر منکشف ہو جائے۔ اب وہ ابوسفیان کو اپنے سوالات کے ذریعہ سے بے بس کرتا چلا جا رہا ہے۔ تا آنکہ واضح ہو جاتا ہے کہ آنحضورؐ سچے نبی اور رسُول ہیں۔ پوچھتا ہے کہ انہوں نے دعوئ نبوت سے پہلے کبھی جھوٹ بولا! ابوسفیان کا جواب تھا نہیں۔ پھر پوچھتا ہے کہ کیا ان کے خاندان میں کبھی حکومت رہی ہے! وہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اگر کوئی خاندانی بادشاہ ہر تو وہ چھنی ہوئی حکومت حاصل کرنے کے لیے بھی کوئی پکھنڈ کر سکتا ہے۔ ابوسفیان نے جواب دیا نہیں کبھی حکومت نہیں رہی۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کی طرف سے کوئی وعدہ خلافی ہوئی ہے ابوسفیان کا جواب تھا نہیں۔ ایک ایک کرکے ہرقل نے سوال کیے جن سے ثابت ہوتا چلا جا رہا ہے کہ حضورؐ سچے ہیں۔ ہرقل ابوسفیان کے جوابات کی توثیق بھی کرتا چلا جا رہا تھا کہ نبی ایسے ہی کردار کے ہوتے ہیں، جیسا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بتا رہے ہو۔ جو بات میں اس واقعہ سے آپ کو بتانا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لانے کے بعد اس واقعہ کی روایت کرتے ہوئے صاف کہتے ہیں کہ بارہا میرا جی چاہا کہ میں جھوٹ بول دوں۔ چونکہ گویا وہ خود CORNER ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ خود شکست کھاتے چلے جا رہے ہیں، خود ان پر حجت قائم ہو رہی ہے، وہ کہتے ہیں کہ کئی بار مجھے خیال آیا کہ میں جھوٹ بولوں۔ لیکن چونکہ اکیلے تو نہیں تھے۔ اور ساتھی بھی موجود تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ میرے ساتھی کیا کہیں گے کہ اتنا بڑا سردار ہو کر جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کی تحسین آپ کس کو دیں گے! معلوم ہوا کہ یہ بات نہیں ہے کہ ان کے یہاں کوئی اخلاقی معیار سرے سے موجود ہی نہیں تھا۔ ایسی بات ہرگز نہیں تھی۔ ان کے اپنے معیارات تھے۔ ابوسفیانؓ کہتے ہیں کہ مجھے جھوٹ بولنے سے یہ چیز روکتی رہی کہ یہ میرے ساتھی کیا سوچیں گے کہ قریش کا اتنا بڑا سردار ہو کر جھوٹ بول رہا ہے۔ لہٰذا میں جھوٹ نہیں بول سکا۔

میں بیان کر رہا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علمی اعتبار سے جو پہلا غلبہ حاصل ہوا وہ یہ کہ کوئی جھوٹ موٹ کو بھی قرآن کے مقابلہ میں کوئی ایک سُورت بھی بنا کر پیش نہیں کر سکا کہ یہ ہے تمہارے چیلنج کا جواب ــــ کوئی شخص ڈھٹائی پر اتر آئے تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ ایک لطیفہ ہے کہ کسی دربار میں بحث ہو رہی تھی کہ زمین کا مرکز کہاں ہے؟ اتفاق سے وہاں ایک دیہاتی بھی موجود تھا۔ اس نے اپنا لٹھ اٹھایا اور زمین پر مارا کہ یہ ہے زمین کا مرکز۔ نہیں مانتے تو ناپ لو۔ یہ بھی تو ایک طریقہ ہے۔ تو کوئی شخص کہہ سکتا تھا کہ میں نے یہ سُورت بنائی ہے۔ وہ قرآن کے مساوی ہے بلکہ اس سے بھی بہتر ہے۔ اب چند ماہرین

فن بیٹھیں، جج صاحبان کا کوئی بورڈ بیٹھے، پھران پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ یہ کہاں کے ماہرین فن آ گئے۔ جیسے دیوانی مقدمہ ہمارے یہاں چلتا ہے کہ عمریں ختم ہو جاتی ہیں مقدمہ ختم نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وہاں بھی کوئی کھڑے ہو کر دیوانی مقدمہ شروع کر سکتا تھا اور دعویٰ کر سکتا تھا کہ میں نے قرآن کے مقابلہ میں جو کچھ پیش کیا ہے وہ قرآن سے بہتر ہے۔ لیکن تاریخی حقیقت یہ ہے کہ کوئی ایک شخص مقابلہ نہیں کر سکا۔ لوگوں نے جادو کہا، سحر کہا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ لیکن جھوٹ موٹ کے لیے صرف تین آیات پر مشتمل سورۃ الکوثر کے مقابلہ کی بھی ایک سورت بنانیکا کوئی دعویٰ دار بن کر کھڑا نہیں ہوا۔ اور ہم سب جانتے ہیں کہ سورۃ الکوثر ہر اعتبار سے قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورۃ ہے ــــ یہ پہلا علمی غلبہ ہے۔ جو قرآن مجید کو مشرکین پر حاصل ہوا۔[1]

نظریہ توحید کا غلبہ

اس کے بعد آپ دیکھئے کہ مشرکین کے پاس شرک کے لیے جو بھی بنیادیں تھیں، دلائل تھے، ان سب کی قرآن مجید نے خاص طور پر مکی سورتوں میں دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ خالص فطری طرزِ استدلال سے تمام مشرکانہ عقائد کا تار پود ادھیڑ کر رکھ دیا۔ مکہ میں دانشوروں اور خطبا و شعرا کی کوئی کمی نہیں تھی لیکن کوئی بھی قرآن حکیم کے دلائل و براھین کا مقابلہ نہ کر سکا علمی و فکری سطح پر سب ہی لاجواب اور مبہوت ہو کر رہ گئے۔ سب ہی کو سپر ڈالنی پڑی۔ سب ہی اعجازِ قرآنی کے آگے سرنگوں ہو گئے۔ یہ قرآن مجید کا دوسرا علمی غلبہ تھا مشرکین پر۔

مسئلہ معاد پر ایمان لانے کیلئے علمی غلبہ

پھر معاد یعنی بعثِ بعد الموت کے انکار کے لیے ان کو جو شکوک و شبہات تھے اور وہ جو اعتراضات وارد کیا کرتے تھے کہ یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ جب ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گی، ہم کیسے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے؟ کیسے ہمیں پھر گوشت پوست کے ساتھ اٹھایا

---

[1] اس موقع پر راقم کو یاد آیا کہ کافی زمانہ گزرا ایک معتبر رسالہ میں پڑھا تھا کہ ایک مصری عیسائی نحو عربی ادب، عربی صرف و نحو، عربی لغت کا بہت بڑا ماہر تھا اخبارات میں اپنا بیان شائع کرایا کہ اس نے قرآن کے چیلنج کا جواب دینے کے لیے ایک سورت بنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ عاجز رہا۔ اس نے جو عبارت بھی بنائی وہ قرآن ہی کی آیات کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر سے بنا سکا۔ بالآخر اس کے دل نے گواہی دی کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ وہ ایمان لے آیا۔ اس دور میں بھی بے شمار واقعات ایسے ہیں کہ قرآن مجید کی معجز نمائی سے متاثر ہو کر کئی غیر مسلم ایمان لے آئے۔ (مرتب)

جائے گا۔ یہ بڑے دور کی کوڑی معلوم ہوتی ہے، قرآن نے ان تمام شکوک وشبہات اور اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ دلائل سے ثابت کر دیا کہ بعثِ بعدالموت، حشر ونشر حساب وکتاب اور جزا وسزاء اُخروی کو ماننا پڑے گا۔ یہ بات فطرت کے اندر ودیعت شدہ ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن حکیم کا یہ تیسرا علمی غلبہ تھا جو اُسے مشرکین پر حاصل ہوا۔

نبوّت ورسالت کو تسلیم کرانے کا علمی غلبہ

نبوت ورسالت پر اعتراضات کچھ انہوں نے خود سوچ سمجھ کر کیے اور کچھ مکّی دور ہی میں یثرب (مدینہ) سے علماء یہود نے کچھ تار ہلانا شروع کر دیا تھا کہ ان سے یہ پوچھو، وہ پوچھو۔ زچ کرنے کے لیے وہ سوالات قریش کو سکھاتے تھے۔ ان سب کے مُنہ توڑ جواب قرآن مجید نے ان کو دے دیئے۔ یہ قرآن کا چوتھا علمی غلبہ تھا مشرکین عرب پر۔

الغرض مکّی دور ہی میں مشرکینِ عرب پر علمی وفکری اعتبار سے مکمل غلبہ ہے جو جناب محمدرسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید، فرقانِ حمید ھدًی للناس کے دلائل وبراھین کے ذریعہ سے حاصل ہوا۔

یہود پر علمی غلبہ

ہجرت کے بعد جناب محمدرسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے۔ اب یہاں پہلی بار براہِ راست یہود سے سابقہ پیش آرہا ہے۔ اب تک تو یہود پس پردہ رہ کر مشرکینِ مکّہ کے ذریعہ سے اعتراضات کیا کرتے تھے۔ اب صُورت یہ ہے کہ مدینہ میں ان کے تین مضبوط قبیلے آباد ہیں، ہر قبیلہ میں بڑے بڑے یہودی علماء، فقہاء، دانشور اور دنیا کا گرم وسرد دیکھے ہوئے فضلاء موجود ہیں۔ ہجرت کے بعد جو پہلی سورت یعنی سورۂ بقرہ نازل ہوئی ہے۔ مختلف اوقات میں جو خطباتِ الٰہیہ اور آیاتِ الٰہیہ نازل ہوئی ہیں انہیں اس سورہ مبارکہ کی شکل میں جمع کیا گیا ہے۔ چند استثناءات اس میں ہیں۔ لیکن تقریباً ہجرت کے بعد سے لے کر غزوۂ بدر سے پہلے تک جتنا قرآن نازل ہوا ہے۔ وہ سورہ بقرہ کی شکل میں جمع کیا گیا ہے۔ میں نے تقریباً اس لیے کہا ہے کہ بعض آیات اس میں ہجرت سے پہلے کی بھی شامل ہیں۔ جیسے اس سورہ مبارکہ کی آخری دو آیات، جن کے متعلق صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یہ تحفۂ معراج النبی ہے۔ یہ آیات حضورؐ کو سدرۃ المنتہٰی پر عطا ہوئی تھیں۔ سود کی حرمت والی آیات سن ۹ ہجری میں نازل ہوئی تھیں۔ اسی طرح غزوۂ بدر سے متصلاً قبل سورہ محمد نازل ہوئی تھی جس کا دوسرا نام سورۂ قتال بھی ہے۔ سورہ بقرہ میں دس رکوع وہ ہیں کہ جن میں ان یہود کے ساتھ مناظرہ کہہ لیں، مجادلہ کہہ

لیں، ردّ و قدح کہہ لیں، بحث و تمحیص کہہ لیں — ان کے اعتراضات کے جوابات کہہ لیں، ان کے اندر جو اعتقادی بُرائیاں تھیں، ان پر تنقید کہہ لیں، ان کے اندر جو اخلاقی برائیاں تھیں اور عملی اعتبار سے ان میں جو گراوٹ، ریاکاری اور خرابی آچکی تھی، ان پر تبصرہ کہہ لیں، ان سب باتوں کو ملا کر گویا پہلے دس رکوعوں کو یہود پر فرد قرارداد جرم کا عنوان دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ بات آگے بھی چلتی ہے سورۂ نساء میں ان یہود پر تنقید ہے پھر سورہ مائدہ میں یہ بات تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اس طریقہ سے یہود پر پورا علمی غلبہ قرآن مجید نے حاصل کیا۔ ان کے پاس کوئی دلیل رہنے نہیں دی، دلیل کے میدان میں وہ قرآن سے پوری طرح شکست کھا گئے۔ قرآنِ حکیم نے ان کو چیلنج کیا: هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ "اگر تم سچے ہو تو لاؤ کوئی دلیل"۔ کبھی اُن سے کہا: فَأْتُوا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لاؤ اپنی کتاب تورات اور پڑھو ہمارے سامنے اگر تم سچے ہو" تم کہتے ہو کہ ہمیں آگ چھو ہی نہیں سکتی اگر چھوئے گی تو محض گنتی کے چند دن: وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط تمہارا یہ قول تورات یا انجیل میں اگر درج ہے تو دکھاؤ تاکہ ہمیں بھی علم ہو کہ تم کو آگ سے چھٹکارے کی ضمانت مل گئی ہے تم کہتے ہو کہ: نَحْنُ أَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهٗ "ہم تو اللہ کے بیٹوں کے مانند ہیں اور اس کے بڑے چہیتے اور لاڈلے ہیں"۔ اس کے لیے ان سے برہان بھی مانگی اور ساتھ ہی ایک تاریخی تبصرہ بھی کیا: فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ۔ تم پر اس دنیا ہی میں تمہارے گناہوں کی پاداش میں تمہاری پیٹھوں پر عذاب کے جو کوڑے پڑتے رہے ہیں، بنو کدر نضر کے ہاتھوں تمہاری جو پٹائی اور رسوائی کرائی گئی ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا رہا ہے! تم کہاں کے لاڈلے اور چہیتے ہو! بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ط "تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے ہم نے دوسرے انسان پیدا کیے ہیں" اللہ کا تمہارے ساتھ کوئی رشتہ یا کوئی خصوصی تعلق نہیں ہے۔ اللہ کا قانون بے لاگ ہے اس کے عدل میں کوئی جانب داری نہیں ہے۔ اس کا معاملہ انسان کے ساتھ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ہے۔ اگر وہ ہے تو ٹھیک ہے، وہ اگر نہیں ہے تو اللہ کی طرف سے کسی کے پاس کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس یہ ضمانت ہے تو هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اور فَأْتُوا بِالتَّوْرٰةِ فَاتْلُوْهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قرآن کا تو یہ چیلنج والا انداز ہے۔ جس کا جواب علماء یہود میں کوئی نہیں دے سکا۔ سب کے سب مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ پس اس طور پر قرآنِ مجید نے یہود پر علمی غلبہ حاصل کیا۔

نصاریٰ پر علمی غلبہ

میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ تیسرا گروہ نصاریٰ کا تھا۔ سورہ آلِ عمران کی قریباً تینتیس ۳۳ آیات میں پھر یہ مضمون آگے چلتا ہے، سورہ نساء، سورہ مائدہ اور سورہ مریم میں بھی نصاریٰ کے باطل عقائد پر تعریض کی گئی ہے۔ ان کے عقائد کی دھجیاں بکھیر دی گئیں، ان کی تردید میں دلائل دیئے گئے۔ براہین کے ساتھ ان پر فتح حاصل کی گئی۔ اس ضمن میں نصاریٰ سے بھی آخری بات کہی گئی جیسے مشرکینِ عرب کے لیے قرآن کی طرف سے چیلنج کیا گیا کہ آؤ اس قرآن کا مقابلہ کر لو۔ بالکل اسی کے ہم وزن اور اسی کے مساوی وہ آخری بات ہے جس کا نام مباہلہ ہے۔ قرآن مجید میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

"اے نبی اگر یہ نصاریٰ دلیل و برہان اور افہام سے بھی قائل نہیں ہوتے اور آپ سے اس بات کے بارے میں حجت پر اڑا رہے جس کے متعلق آپ کے پاس سچا اور حقیقی علم آچکا ہے تو آپ کہہ دیجیے کہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر (کھلے میدان میں) ہم سب التجا کریں اور لعنت (طلب) کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔"

دعوتِ مباہلہ اس شخص کو قبول کرنے میں تو تامل ہو ہی نہیں سکتا جو حق جانتا ہے اور جسے انشراحِ صدر ہے کہ میری بات صحیح ہے، لیکن اس شخص کے لیے بہت بڑی آزمائش بن جاتی ہے جو دل سے تو قائل ہوتا ہے کہ دوسرے فریق کی بات صحیح ہے لیکن اس کی انانیت، اس کی عصبیت، اس کا تعصب، اس بات کا زبان سے اقرار کرنے میں مانع ہوتا ہے۔ بحث و تمحیص میں یہ اکثر ہوتا ہے، میرے اور آپ کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ کسی موقع پر ہم پھنس جاتے ہیں کہ ہاں بات اس کی درست ہے لیکن مان کیسے لوں! ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ شکست تسلیم کر لی گئی۔ لہٰذا یہ جھوٹی عزتِ نفس حق بات کو قبول کرنے میں مانع ہوتی ہے اور اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ والا معاملہ ہو جاتا ہے انسان کی جھوٹی انانیت آڑے آجاتی ہے۔ کیسے مان لیں! جیسے یہود کے بارے میں قرآن کہتا ہے: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ "یہ یہود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور قرآن کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔ لیکن پہچاننے اور ماننے میں بہت فرق ہے۔ اپنی بالادستی، اپنی سیادت، اپنی قیادت، اپنی مسندیں چھوڑنی آسان نہیں ہیں۔ چنانچہ جب نجران کے نصاریٰ کے وفد کو دعوتِ مباہلہ دی گئی۔ جس وفد میں ان کے

بطارقہ یعنی بہت بڑے عالم بھی شامل تھے تو سب کے سب شش و پنج میں پڑ گئے۔ انہوں نے مشورے کے لیے مہلت مانگی۔ ان کی اس مجلس مشاورت میں ان کے ہوش مند اور تجربہ کار لوگوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے دنوں ہماری گفتگو رہی ہے۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم یقیناً دلوں میں قائل ہو چکے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی مرسل ہیں۔ لہٰذا ایک نبی سے مباہلہ اور ملاعنہ کرنے کا نتیجہ ہمارے حق میں ہلاکت خیز نکل سکتا ہے۔ خیریت اسی میں ہے کہ ہم صلح کر کے اپنی بستیوں کو واپس چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ مباہلہ و ملاعنہ نہیں کر سکے اور صلح کر کے چلے گئے۔[1] چنانچہ نصاریٰ پر بھی قرآن حکیم نے علمی و فکری غلبہ حاصل کر لیا۔

عرب میں موجودہ اوّلین مخاطبین پر علمی غلبۂ الھدیٰ کے ذریعے

حاصل گفتگو یہ ہوا کہ جس طرح کا علمی و فکری غلبہ اس قرآن کے اعجاز کی صورت میں مشرکین عرب پر ہوا۔ بعینہٖ اُسی معیار کا اور اُسی نوعیت کا علمی و فکری غلبہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کے دلائل و براہین کے ذریعہ سے مدینہ کے یہود اور نجران کے نصاریٰ پر حاصل ہوا۔ یہ تمام غلبے وہ ہیں جو قرآن مجید، فرقانِ حمید نے عطا فرمائے۔ اس غلبہ کے لیے قرآن حکیم میں تمام دلائل و براہین موجود ہیں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اس کام کی نوعیت کیا ہے! اور اس کے لیے آلہ اور ذریعہ کون سا ہے؟ یہ درحقیقت علمی کام ہوا ہے اور اس کا آلہ و ذریعہ قرآن مجید ہے جو الھدیٰ ہے۔ اس الھدیٰ کے ذریعے علمی غلبہ، دلیل و برہان کے میدان میں غلبہ دورِ نبوت و رسالت میں ان تینوں گروہوں پر حاصل ہو گیا جو فی الواقع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوت کے اوّلین مخاطب تھے۔

دینِ حق کا غلبہ

لیکن حضورؐ صرف الھدیٰ لے کر تشریف نہیں لائے تھے بلکہ دین الحق بھی ساتھ لائے تھے۔ اور آپ کی بعثت کی امتیازی شان اور منتہائے مقصود یہ تھا کہ جہاں آپؐ الھدیٰ کے ذریعہ سے علمی و فکری سطح پر، دلیل و برہان کے میدان میں بنی نوعِ انسان پر توحید اور عبادتِ رب کا احقاق اور شرک اور طاغوت کی بندگی کا ابطال فرما دیں وہاں دین الحق کو جہاد و قتال کے ذریعہ سے اس دنیا میں بالفعل جنسِ دین یعنی تمام نظام حیات و اطاعت پر غالب فرما دیں۔ آپؐ کی بعثت کے مقاصد اور

---

[1] حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو وادی ان پر آگ بن کر برستی اور اللہ تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال فرما دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر (نجران کے) تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے

(مرتب)

فرائض منصبی میں یہ دونوں غلبے بالفعل شامل ہیں۔ چونکہ آپؐ آخری نبی و رسول ہیں اور تا قیام قیامت آپؐ کا دورِ رسالت ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ اور وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ لہٰذا حضورؐ کو بنفسِ نفیس یہ دونوں غلبے مکمل فرمانے تھے۔ اسی لیے یہ الفاظِ مبارکہ پورے قرآن مجید میں کسی اور رسول علیہ السلام کے لیے نہیں آئے جو حضورؐ کی بعثت کی امتیازی شان کے بیان میں ایک شوشے کی تبدیلی کے بغیر قرآن مجید میں تین سورتوں میں وارد ہوئے هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔

پہلا غلبہ یعنی علمی و فکری سطح پر غلبہ شرطِ لازم ہے۔ پہلے وہ حاصل کرنا ہوگا تب دوسرا غلبہ حاصل ہوگا[1]۔ اس لیے کہ جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ۔ جو اذہان و قلوب کو فتح کرلے گا وہی پھر اس زمین پر اپنا نظام قائم کرسکے گا۔ اسی علمی و فکری غلبہ کے لیے جہاد بالقرآن کی اصطلاح ہے[2] سورہ فرقان کی اس آیت مبارکہ کے حوالے سے: فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ۝ — اے نبی! آپؐ ان کافروں کی باتوں میں نہ آجایئے گا۔ ان کا کہنا نہ مان بیٹھئے گا، یہ تو ہر طرح آپؐ کو ورغلائیں گے۔ بلکہ آپؐ تو اس قرآن کو ہاتھ میں لے کر ان کے ساتھ جہاد کیجئے، بہت بڑا جہاد — یہ جہاد ہے علمی و فکری غلبہ کا جہاد۔ اس غلبہ کے لیے جو لوگ اُس وقت موجود تھے جن سے براہِ راست تصادم و مقابلہ تھا ان سے مقابلہ کے لیے قرآن مجید نے تمام براہین و دلائل اسی وقت دے دیئے اسکے بعد حضورؐ نے جزیرہ نما عرب کی حد تک دین الحق کو بنفسِ نفیس قائم و غالب فرما دیا — لیکن اب یہ غلبہ آگے چلنا ہے۔ یہ غلبہ اس وقت تک مکمل نہیں ہے جب تک پورے کرۂ ارضی پر اللہ کے دین کا بالفعل قیام و نفاذ نہ ہوجائے — وہ ہوکر رہے گا۔ کب ہوگا؟ یہ ہم نہیں جانتے۔ البتہ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس جدوجہد میں اپنی زندگیاں لگادیں، باقی رہا یہ کب ہوگا! کسی کو معلوم نہیں۔ اور نہ ہی ہمیں

---

[1] اس عاجز کی یہ حقیر رائے ہے کہ شاید یہی وجہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ جن تین سورتوں میں وارد ہوئی ہے وہ مدنی دور کی ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب اور اہل کتاب پر علمی و فکری سطح پر الحمدللہ کے ذریعہ سے غلبہ حاصل فرما چکے تھے۔ دلائل و براہین کے میدان میں تمام مخالفین شکست کھا چکے تھے۔ (مرتب)

[2] ان شاء اللہ العزیز جلد ہی 'جہاد بالقرآن' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب موصوف کے تین خطابات کتابی صورت میں منصۂ شہود پر آجائیں گے (مرتب)

اس سے بحث ہونی چاہیئے۔ یہ تو حسابی ذہن کا کام ہے جو یہ سوچ کر کوئی کام کرتا ہے کہ کامیابی کے کتنے امکانات ہیں کتنے نہیں ہیں۔ ایک وہ ذہن ہوتا ہے کہ جو کام کرتا ہے اس لیے کہ یہ میرا فرض ہے۔ مجھے تو ہر حال میں یہ کام کرنا ہی کرنا ہے، کامیابی ہو یا نہ ہو اس سے اُسے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ دو مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں۔ ایک حساب کتاب سے چلنے والا ذہن (CALCULATIVE MIND) کہلاتا ہے اور دوسرا احساس فرض کے تحت چلنے والا ذہن ہوتا ہے۔ اسی کا نقطۂ عروج ہیں وہ الفاظ جو حضورؐ کی زبانِ مبارک پر آئے تھے کہ "چچا جان! اب یا تو یہ کام پورا ہوگا یا اسی میں میں اپنی جان دیدوں گا"۔ قریش کی جب آخری سفارت ابوطالب کے پاس آخری دھمکی کی صورت میں آئی تھی اور ان کے بھی پائے صبر و ثبات میں لغزش آگئی تھی اور انہوں نے حضورؐ سے کہا تھا کہ "بھتیجے۔ مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میں برداشت نہ کر سکوں" اب اس سے زیادہ اپیل اور کیا ہوگی کہ اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کرو۔ تمہارے رویہ اور موقف میں مفاہمت کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ لہٰذا مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔ کچھ سوچو میں بوڑھا ہو چکا ہوں ۔ یہ سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہ دنیوی اعتبار سے یہ واحد سہارا تھا اور محسوس ہو رہا ہے کہ اب یہ بھی ساتھ چھوڑ رہا ہے۔ آنکھوں میں آنسو تو آئے ہیں لیکن اندر جو عزیمت ہے کوہ ہمالیہ سے زیادہ عظیم عزیمت۔ اس کا اظہار ہوا ہے ان الفاظ مبارکہ سے کہ

"چچا جان! اب یا تو یہ کام پورا ہوگا یا اسی میں میں اپنی جان دے دوں گا۔ میرے لیے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے"۔

پس یہ غلبہ جو بالفعل ہوتا ہے اس کے بھی دو رُخ ہیں، خلافت راشدہ کے دوران صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں تلوار لے کر نکلے۔ ظاہر بات ہے کہ اس وقت دعوت و تبلیغ کا وہ حق ادا کرنا جیسا کہ بارہ تیرہ برس مکہ والوں پر ادا کیا گیا، اس کا تو موقع نہیں تھا۔ اب تو یہ تھا کہ بالجبر کسی کو مسلمان بنانا نہیں؛ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ لیکن باطل اور طاغوتی نظام کو راستہ میں حائل رہنے دینا نہیں، اسلیئے کہ غلط نظام اصل میں راہِ ہدایت میں رکاوٹ بن جاتا ہے، اور حائل ہو جاتا ہے بندے اور رب کے مابین۔ جیسے اقبال نے کہا ہے ؎

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے ۔۔۔ پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

چنانچہ کوئی غلط معاشرتی نظام، کوئی غلط معاشی نظام، کوئی غلط سیاسی نظام لوگوں کو درحقیقت اس طرح اپنے اندر جکڑ بند کر لیتا ہے کہ ان میں سوچ کی، فکر کی اور عمل کی آزادی نہیں رہتی۔ ان حالات میں وہ

کیسے اللہ کی طرف متوجہ ہوں! لہٰذا باطل اور غلط نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینا ہے ۔ بڑے عجیب الفاظ ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے استعمال فرمائے ہیں : فَكُّ كُلِّ نِظَامٍ ۔ ہر باطل نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینا دراصل بندۂ مومن کا فرض ہے ۔ اس لیے کہ نظامِ باطل رکاوٹ اور آڑ بن جاتا ہے ، یہ حجاب بن جاتا ہے اللہ اور بندے کے درمیان ۔۔۔ لیکن کسی شخص کو بھی زبردستی مسلمان بننے پر مجبور نہیں کیا گیا اور نہ کیا جائے گا ۔

اسلام کو دو چیلنجوں سے سابقہ ۔۔۔ پہلا چیلنج

اس موضوع پر اپنی گفتگو ختم کرنے سے قبل میں چند اہم باتوں کی طرف آپ حضرات کی مزید توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔ دیکھئے ۔ اسلام کی وسعت کے ساتھ ساتھ جو دو بڑے بڑے علمی چیلنج اسلام کو پیش آئے ہیں ۔ ان میں سے سب سے بڑا چیلنج وہ تھا کہ قرآن مجید میں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمودات میں جو تشریعی احکام ملے تھے وہ اصولی اور مختصر تھے تفصیلی احکامات بہت کم تھے ۔ لیکن جب ایک وسیع و عریض اسلامی مملکت وجود میں آگئی تو زندگی کے مختلف گوشوں کے پیچیدہ مسائل کے بارے میں شریعت کا منشا معلوم کرنے کے لیے سوالات پیدا ہونے شروع ہوئے ۔۔۔ جیسے کہ مدینہ میں جب ایک اسلامی ریاست بالفعل وجود میں آگئی تھی ، پوچھا جانے لگا تھا : يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ اے نبی ، یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ لیکن 'خمر' شراب تو ایک لفظ ہے ۔ اب اس کے متعلق سو طرح کے سوال ہوں گے ۔ شراب کسے کہتے ہیں ! کیا ہر مسکر اور نشہ آور شئے شراب کی طرح حرام ہے ! یا یہ کہ صرف کسی خاص چیز اور خاص طریقہ سے بنایا ہوا نشہ آور مشروب شراب ہے ! اس نوع کے بے شمار سوالات اٹھیں گے ! جوا کسے کہتے ہیں ! آج آپ کے ملک کی عدالت میں گھڑ دوڑ پر لگائی ہوئی شرط پر بحث ہو رہی ہے کہ یہ شرط ، جوا ہے یا نہیں ہے ! ۔۔۔ اب آپ اس پر قیاس کیجئے کہ ایک مسئلہ اور موضوع پر کتنے بے شمار سوالات پیدا ہو سکتے ہیں ۔ پھر جب ایک مکمل نظامِ حکومت وجود میں آئے گا تو ان سوالات کا دائرہ کتنا وسیع ہو جائے گا ! لہٰذا اس کے لیے تفصیلی قوانین کی شدید ضرورت پیش آئے گی ۔۔۔ یہ وہ علمی چیلنج تھا جسکو بحیثیت مجموعی قبول کیا ہمارے فقہائے کرام اور محدثین عظام نے رحمہم اللہ ۔۔۔۔۔۔ اور ہر امامِ فقہ اور ہر امامِ حدیث نے اس عظیم کام میں اپنا اپنا رول ادا کیا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس باب کے کارہائے

نمایاں ہیں سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ باقی حضرات کا معاملہ اکثر و بیشتر انفرادی ہے۔ جبکہ امام صاحبؒ نے اس معاملہ کو انفرادی نہیں رکھا۔ بلکہ باقاعدہ ایک حلقہ قائم کیا۔ جس میں مسائل پر مباحث ہو رہے ہیں۔ دلائل دیئے جا رہے ہیں۔ دلائل کو توڑا جا رہا ہے، کاٹا جا رہا ہے۔ دوسرے امکانات کو سامنے لایا جا رہا ہے۔ قریباً ہر مسئلہ جرح و تعدیل کے عمل سے گزر کر طے پا رہا ہے۔ تو امام صاحب علیہ الرحمہ نے ایک ادارہ (INSTITUTION) کے ذریعہ سے ایک اسلامی مملکت کے لیے تفصیلی قانونی نظام مدون کیا ہے۔ فقہ حنفی کسی ایک فرد کی فقہ نہیں ہے۔ اس میں امام صاحبؒ کی آرا ہیں۔ اس میں امام محمد شیبانیؒ کی آرا ہیں۔ اس میں قاضی ابو یوسفؒ کی آرا ہیں۔ اس میں امام زفرؒ کی آرا ہیں۔ اور بے شمار اہل الرائے کی آرا ہیں۔ رحمہم اللہ اجمعین ۔۔۔ یہ چیلنج جو اگرچہ مخالفین کی طرف سے نہیں بلکہ وقت کے تقاضوں کی طرف سے بہت بڑا علمی چیلنج تھا جسکا ہمارے فقہاء و محدثین کرامؒ نے بالعموم اور امام اعظم امام ابوحنیفہؒ نے مواجہہ (FACE) کیا اور اس میں الحمد للہ کامیاب بھی ہوئے اور ایسا قانون مرتب کر دیا کہ بڑی بڑی مملکتیں قریباً ہزار برس تک کامیابی سے چلتی رہیں۔ اس لیے کہ مغربی امپیریلزم کی تاریخ ڈھائی تین سو سال پرانی ہے۔ اس وقت تک بلکہ اس کے ابتدائی زمانہ میں بھی وہی نظام چل رہا تھا۔ ایک وقت کا یہ علمی چیلنج تھا جس کو ہمارے فقہاء و محدثین نے کما حقہ پورا کیا۔

دوسرا خطرناک چیلنج

وقت کی رفتار کے ساتھ دوسرا علمی چیلنج بھی آیا۔ یہ تھا اصل میں کافی خطرناک چیلنج۔ جہاں تک مجوسیت، عیسائیت، یہودیت اور ہندومت کا تعلق تھا تو ان سب کی حیثیت مشرکانہ مذاہب کی تھی۔ لہٰذا توحید کے اثبات اور شرک کے ابطال کے لیے قرآن حکیم میں جتنے دلائل و براہین دیئے گئے تھے وہ سب کے سب ان کی تردید کے لیے کفایت کر گئے۔ لیکن جو دوسرا چیلنج بعد میں آیا وہ فلسفہ، منطق اور عقلیات (RATIONALISM) کا چیلنج تھا۔ یونان کی عقلیت کے ساتھ جہاں فلسفہ تھا اور منطق تھی، وہاں سائنس بھی تھی۔ آج کے دور میں جو بھی فلسفے، جو بھی منطق اور جو سائنسی ترقی ہوئی ہے آپ ان کا سراغ لگائیں گے تو معلوم ہوگا کہ یونان ہی اس کا نقطۂ آغاز ہے۔ ٹھیک ہے کہ ایران اور ہندوستان کا بھی اس میں قابل لحاظ حصہ ہے۔ ٹھیک ہے کہ مسلمانوں نے بھی اس میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ لیکن ان سب کی اصل آپ کو یونان ہی میں نظر آئے گی۔

پھر دنیا میں اصل فلسفہ و منطق آج بھی دو ہی تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یوں کہنے کو تو بیسیوں اصطلاحات آپ کو نظر آئیں گی لیکن حقیقت میں (۱) IDEALISM (تخیل پسندی) جس کی بنیاد افلاطون نے رکھی (۲) REALISM (واقعیّت پسندی) جس کی اساس ارسطو نے رکھی ۔ دنیا میں جو بھی مزید فلسفے ہیں، وہ انہی دو میں سے کسی ایک کی فروع ہیں ۔ ان میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ لیکن فی الواقع سب کی اصل ان دو میں سے کوئی ایک ہی فلسفہ و منطق ہے ۔ جیسے میں کہا کرتا ہوں کے مسلمانوں میں فرقے تو دو ہی ہیں اہل سنّت والجماعت اور اہل تشیع۔ پہلے کا بنیادی عقیدہ ہے خلافت عمومی اور دوسرے کا ہے امامتِ معصومہ۔ اور ان دونوں عقیدوں میں بُعدُالمشرقین ہے[۱]۔ اصولی اعتبار سے یہ متصادم و متضاد نظریات ہیں۔ لہذا ان پر فرقہ کا اطلاق درست ہے۔ اس لیے کہ فرقہ بنا ہے 'فرق' سے جس کے معنی ہیں پھاڑ دینا۔ کامل علیحدگی ہو جانا۔ باقی اہل سنت والجماعت میں حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور اہل حدیث فرقے ہیں! معاذ اللہ ان کے لیے لفظ 'فرقہ' کی اصطلاح سراسر ظلم ہے، یہ تو مکاتبِ فقہ ہیں یا زیادہ سے زیادہ ان کو مسالک کہا جا سکتا ہے ۔ یہ تو کچھ دنیا دار دانشور اور نام نہاد مولویوں نے اپنی دوکانیں چمکانے کے لیے بعض مسائل کو ایک دوسرے کے خلاف اس طرح استعمال کیا ہے کہ بدقسمتی سے وحدتِ امت[۲] پارہ پارہ ہو گئی ہے اور 'من دگرم تو دگری' کا معاملہ عملاً نظر آنے لگا ہے ۔ ورنہ ہر مسلک کے دلائل کتاب و سنت میں موجود ہیں ۔ اور انہی سے ماخوذ ہیں۔

چنانچہ فلسفہ اور منطق کے راستہ سے دینِ اسلام کو دوسرے چیلنج سے سابقہ پیش آیا۔ اس چیلنج کا مقابلہ ہی نہیں کیا بلکہ کامل شکست دی ہمارے عظیم اکابر اُمّت نے ۔ اس بات کو ذہن میں رکھیے کہ اس علمی چیلنج کے جواب کے لیے بھی مواد قرآن حکیم میں موجود تھا، لیکن وہ فلسفہ و منطق کی اصطلاحات و الفاظ میں نہیں تھا۔ اگر ان الفاظ اور اصطلاحات میں وہ مواد دیا جاتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۱] ۔ اس موضوع پر تفصیل کے لیے ڈاکٹر صاحب موصوف کا خطاب "کیا ایرانی انقلاب "اسلامی انقلاب" ہے؟" شائع شدہ "میثاق" (اپریل و مئی ۸۵ء) ملاحظہ فرمایئے (مرتب)

[۲] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی اختلافات کی اصل نوعیت کے بیان میں "وحدتِ امت" ہی کے نام سے ایک کتاب ہیں دوسرنے میں تولنے کی قدر و قیمت کی حامل تقاریر شامل ہیں، جو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے بھی حال ہی میں شائع کی ہے (مرتب)

مخاطبین اُسے کیسے سمجھتے! ان کے لیے تو وہ گورکھ دھندا اور معمہ ثابت ہوتا۔ وہ بدو اسے کیا سمجھتے جن کو اوّلاً اسلامی انقلاب کے لیے متحرک و فعال بنانا تھا۔ جن کے ذریعہ سے اسلام کا عملی غلبہ ہونا تھا۔ لہٰذا قرآن میں سارے کا سارا مواد موجود تھا اور دنیا میں قیامت تک مادہ پرستانہ، ملحدانہ، زندقہ اور دہریت کے حامل جتنے بھی نظریات، منطق اور فلسفے وجود میں آسکتے ہیں ان سب کا توڑ قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ اللہ کا کلام ہے یہ تاقیام قیامت ھُدًی لِّلنَّاس ہے۔ لیکن ہر دور کے لیے اس مواد کو کھود کر نکالنا ہوگا۔ اس معدن سے نہایت عرق ریزی اور محنت و عزم کے ساتھ ہیرے اور جواہر نکالنے پڑیں گے۔ اسی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آئے ہیں: لَا تَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ۔ "اس قرآن کے عجائبات یعنی نئے نئے علوم و معارف کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوں گے"۔ ہیروں کی یہ کان کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اسی حدیث میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں: وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلُقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ۔ اس قرآن سے کبھی اہل علم سیری حاصل نہ کرسکیں گے نہ اس کی کثرت و تکرارِ تلاوت سے اس کی تاثیر اور لطف و لذت میں کوئی کمی آئے گی"۔

پس فلسفہ و منطق کے راستہ سے جو پہلا علمی چیلنج آیا تھا۔ اس کا مقابلہ کیا گیا اور ہمارے یہاں بڑے بڑے متکلمین پیدا ہوئے۔ لیکن ان میں دو شخصیتیں بہت نمایاں ہیں۔ ان میں ایک امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان رجالِ دین نے اتنی عالمانہ کتابیں لکھیں کہ یونان کے فلسفے اور منطق کا تمام تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔ ان کے بخیے اُدھیڑ کر ڈال دیئے۔ 'الرَّدُّ عَلَی الْمَنْطِقِیِّیْنَ' یہ امام ابن تیمیہؒ کی شاہکار تصنیف ہے۔ اسی طریقہ سے "تہافۃ الفلاسفہ" اور "المنقذ من الضلال" امام غزالیؒ کی معرکۃ الآرا تصانیف ہیں۔ یہ تینوں تصانیف اپنے مضامین کے اعتبار سے انتہائی جامع، بہت نمایاں اور شاہکار ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں کہ جنہوں نے یونان کے فلسفہ و منطق کے تانے بانے اور صغریٰ کبریٰ (Premises) کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں کہ جن سے مسلح ہو کر یونانی فلسفہ ایمان اور اسلام پر حملہ آور ہوا تھا۔ ان بزرگوں نے دلیل و برہان کے ساتھ اس فلسفہ کی مکمل تردید کر دی۔ منطق کو کاٹنا ہے منطق سے: اِنَّ الْحَدِیْدَ بِالْحَدِیْدِ یُفْلَحُ۔ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے۔ اُسے لکڑی سے تو کاٹا نہیں جاسکتا لہٰذا منطق کا رد منطق ہی سے ممکن ہے۔ اور میں عرض کر چکا ہوں کہ بنیادی طور پر قرآن حکیم نے منطق کو اپنی اساس نہیں بنایا اگرچہ منطق بھی اس کے اندر ہے لیکن مضمر ہے، چھپی ہوئی ہے۔ قرآن کی منطق قرآن میں غوطہ زن ہو کر نکالنی ہوگی جس کے لیے علامہ اقبال نے کہا

ہے۔ ؎ قرآں میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں۔ قرآن بحرِ ذخار ہے۔ اس کی گہرائیاں نا پیدا کنار ہیں، انتہاہ ہیں۔ اس کے اندر غوطہ زنی کرو۔ جتنی گہرائیوں میں جاؤ گے اتنے ہی قیمتی موتی دستیاب ہوں گے آپ معدن کو کھود کر ہیرے وجواہر نکالتے ہیں اور غواص سمندر کی تہہ سے موتی اور درِ شہوار نکالتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور اشعار ہیں۔

يغوص البحر من طلب اللآلی

و مَن طلبَ العلا سهر اللیالی

ومن طلبَ العلا مِن غیر کدٍّ

اضاعَ العمر فی طلبِ المحال

"جو شخص موتیوں کا طلب گار ہوتا ہے، وہ سمندر میں غوطہ زنی کرتا ہے اور جو چاہتا ہے اونچا مقام حاصل کرے اُسے راتوں کو جاگ کر محنت کرنی پڑتی ہے"[1] اس بات کو ان سے پوچھئے جنہیں کسی اعلیٰ ڈگری کا امتحان دینا ہو اور پوزیشن بھی حاصل کرنی پیشِ نظر ہو ان کو کیسی کیسی مشقت راتوں کو جاگ جاگ کر کرنی پڑتی ہے۔ یہ وہ بات ہے جو حضرت علیؓ نے دوسرے شعر میں فرمائی ہے" اور جن لوگوں نے چاہا کہ بلندی بھی حاصل کرلیں اور محنت بھی نہ کریں، انہوں نے ایک طلبِ محال میں اپنی عمر ضائع کرلی اس کے سوا اور کچھ نہیں"۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ یہ ہے کہ آج ہم کس مقام پر کھڑے ہیں۔ کیا اس معاملہ میں دو رائیں ممکن ہیں کہ ہماری امت کی عظیم ترین اکثریت بالخصوص جدید تعلیم یافتہ افراد کے اذہان وقلوب مغرب سے آئے ہوئے مادہ پرستانہ، ملحدانہ اور خدا ناآشنا فلسفوں اور نظریات کی پوری گرفت میں ہیں، ان پر ان افکار کا مکمل غلبہ اور استیلاء ہے۔ اس سے نجات اگر مل سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ قرآن حکیم کے حِکَم اس کے معارف، اس کے فطری طرزِ استدلال کے ذریعہ سے قرآن کے علمی غلبہ کے لیے تن من دھن لگا دیا جائے۔ یہی علمی غلبہ ان شاء اللہ صحیح اسلامی نظام یعنی دین الحق کے قیام ونفاذ کا پیش خیمہ ثابت ہوگا آج پوری دنیا میں کہیں بھی ہمیں بتمام وکمال اسلام بطور نظامِ حیات قائم ونافذ نظر نہیں آتا

---

[1] تجلیِ ربانی کے حصول کے لیے راتوں کو جاگ کر محنت کرنے کے متعلق بوعلی سینا کا بڑا پیارا قول ہے: فَجَاهِدْ فِیْ خَلَوَاتِكَ فَلَعَلَّ شُعْلَةً تَلْمَعُ لَكَ: رات کی تنہائیوں میں مجاہدہ کرو۔ اللہ سے لو لگاؤ شاید کہ معرفتِ ربانی کی کوئی کرن تمہارے لیے بھی جگمگا اٹھے۔ (مرتب)

اگر اللہ نے چاہا تو اس کے امکانات روشن تر ہوتے جائیں گے۔ علامہ اقبال نے دو اشعار میں ہمارے موجودہ انحطاط، زوال، نکبت و مسکنت کی تشخیص بھی کی ہے اور اس کا علاج بھی تجویز کر دیا ہے۔ علامہ کہتے ہیں ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی — شکوہ سنج گردش دوراں شدی

اے چوں شبنم برزمیں افتندۂ — در بغل داری کتابِ زندۂ

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انہی دو کاموں کے لیے اس عاجز نے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے۔ دعوتِ رجوع الی القرآن کے لیے مرکزی انجمن خدام القرآن کے فورم سے جو بھی حقیر سی خدمت بن آ رہی ہے اس سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ قرآن کے علمی غلبہ کے لیے انجمن ہی کے زیرِ اہتمام قرآن اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا ہے تاکہ چند اعلیٰ تعلیم یافتہ ذہین و فطین نوجوانوں کو جو اپنی زندگی کا مقصد: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ، بنالیں قرآن حکیم کے ان مبادی و اصول سے روشناس کرا دیا جائے جن کی بدولت موجودہ دور کے ملحدانہ و مادہ پرستانہ نظریات و افکار کا اعلیٰ علمی سطح پر رد کرنے کی ان میں صلاحیت پروان چڑھ سکے۔ اظہارِ دین الحق کی جدوجہد کے لیے تنظیم اسلامی کے نام سے ایک چھوٹا سا قافلہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بدولت ترتیب پا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان حقیر سی مساعی کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور یہ کام ایک عالمی اسلامی انقلاب کے لیے ممد و معاون ثابت ہو۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ بَارَكَ اللّٰهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعَنِيْ وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔

بقیہ: الہدیٰ

حضرات! سورہ تغابن کی ان پانچ آیات کے ذریعے ہمارے سامنے وہ بنیادی تغیرات آ گئے جو ایمان کے نتیجے میں ہمارے نقطۂ نظر میں، ہمارے زاویہ نگاہ میں، ہمارے رویے میں ہمارے VALUE STRUCTURE میں پیدا ہو جانے چاہئیں۔ اب ہمیں اس کسوٹی پر اپنے ایمان کو پرکھنا ہے۔ اگر یہ کیفیات ہمارے اندر موجود ہیں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے —— یہ علامت ہے اس بات کی کہ ایمان کی روشنی ہمارے قلب میں موجود ہے۔ اگر نہیں ہے تو ہمیں تشویش ہونی چاہیے کہ ہم ایمانِ حقیقی سے محروم ہیں اور اس کی تحصیل باقی تمام چیزوں پر مقدم ہو جانی چاہیے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ
فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ
وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ
(الحدید: ۲۵)

اور ہم نے لوہا اتارا

جس میں جنگ کی بڑی قوت ہے
اور لوگوں کے لیے بڑے فوائد بھی ہیں۔

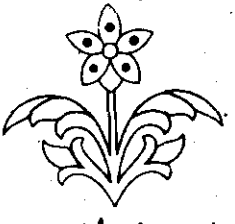

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ
۳۲- ایمپرس روڈ - لاہور

اسلامی انقلاب

مراحل۔ مدارج۔ اور لوازم

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک خطاب

ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے ۲۸ ستمبر ۸۴ء کے جمعہ میں "کیا ایرانی انقلاب اسلامی انقلاب ہے؟" کے موضوع پر خطاب ارشاد فرمانے کے بعد ۵ اکتوبر ۸۴ء کے جمعہ سے مندرجہ بالا موضوع پر آٹھ جمعوں میں تسلسل کے ساتھ آٹھ تقاریر فرمائی تھیں۔ پہلی تقریر کیسٹ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافہ کے بعد پیش خدمت ہے۔ اللہ نے چاہا تو یہ جملہ خطابات "میثاق" میں مسلسل پیش کئے جاتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو!!!

جمیل الرحمٰن

الحمد للہ۔ الحمد للہ وکفٰی والصلوٰۃ والسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصاً علٰی افضلھم وخاتم النبیین محمدن الامین وعلٰی آلہ وصحبہ اجمعین ـــــ امابعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝

وقال تبارك وتعالٰی فی سورۃ الشوریٰ:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰی بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰٓی اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ

وَقَالَ اللّٰہ عزوجل فی سورۃ الصف

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ٥

وَقَالَ سبحانہٗ وتعالیٰ فی سورۃ الانفال

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ

اما بعد: فقال رَسُوْلُ اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلم

اَلمجاھد فی سبیل اللّٰہ من یّقتلُ لتکون کلمۃ اللّٰہ ھی الْعُلیا۔

عن عبادۃ بن الصامت قال بایعنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وعلی اثرۃٍ علینا وعلیٰ ان لا ننازع الامر اھلہ وعلی ان نقول بالحق اینما کنّا لا نخاف فی اللّٰہ لومۃ لائم۔ (متفق علیہ)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۔

اَللّٰھم ربنا الھمنا رشدنا واعذنا من شرور انفسنا

اَللّٰھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

اَللّٰھم وفقنا ان نقول بالحق اینما کنا لا نخاف فی اللّٰہ لومۃ لائم

آمین یا ربَّ العٰلمین

حضرات! آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے ۳۱ اگست ۸۴ء کے جمعہ میں اس موضوع پر مفصّل تقریر کی تھی کہ "کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟" اس تقریر میں میں نے لفظ انقلاب کی تشریح بھی کی تھی۔ اور دنیا کے واحد مکمل ترین اسلامی انقلاب کے نہایت اختصار کے ساتھ اصول و مبادی اور خصائص بیان کئے تھے۔ بعدہٗ ۷ ستمبر اور ۲۸ ستمبر ۸۴ء کو میں نے اس موضوع پر مفصّل اظہارِ خیال کیا تھا کہ "کیا ایرانی انقلاب، اسلامی انقلاب ہے؟" اور ان تقاریر میں میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ایران کی حالیہ تبدیلیاں اور واقعات نہ تو "انقلاب" کے معیار و اصول (Criterion) پر پورا اترتے ہیں اور نہ اس حقیقی اسلام کے مطابق ہیں جس کو ہم

مانتے ہیں اور جس پر ہمارا ایمان ہے۔ ان تمام باتوں کے متعلق میں دلائل کے ساتھ اپنی رائے اور اپنا تجزیہ بیان کر چکا ہوں[1]۔ اب مجھے خالص اسلامی انقلاب کے اصول و مبادی، مدارج و مراحل اور لوازم پر اپنی گفتگو کا مفصل آغاز کرنا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہ سلسلہ چھ سات جمعوں میں مکمل ہو گا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ پچھلی مرتبہ اپنی گفتگو کے اختتام پر میں نے چار باتیں عرض کی تھیں۔ میں آج صرف ان کا اعادہ کروں گا چونکہ آج سے جس موضوع پر گفتگو کا آغاز ہو رہا ہے اس سے ان باتوں کا ایک گہرا ربط و تعلق ہے۔ ان چاروں باتوں میں سے ہر بات ایک مستقل موضوع کی حامل ہے اور ہر موضوع ایک مفصل تقریر کا متقاضی ہے اور میں نے ان موضوعات پر مختلف جگہوں پر مفصل تقاریر کی ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ اس ترتیب سے یہ بات جمعہ کے سلسلۂ تقاریر میں شاید بیان نہیں ہو پائی ہے۔ بہرحال اس وقت میری رائے میں ان باتوں کا خلاصہ ہی کفایت کرے گا۔

پہلی بات یہ کہ پاکستان کی بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے۔ ہمارے پاس اسلام کے سوا اس ملک کی بقا اور استحکام کے لئے کوئی اور بنیاد سرے سے موجود نہیں ہے ـــــ اب یہ بات ایک مکمل تقریر کا موضوع ہے کہ تحریک پاکستان کا پس منظر کیا تھا! یہ ملک بنا کیوں تھا! اس کے محرکات اور عوامل کیا تھے! اس کی اساسات کیا ہیں! ـــــ پھر یہ کہ مختلف ممالک کے استحکام اور بقا کے لئے کون کون سے عوامل سہارا دیتے ہیں اور اس کی تقویت کا باعث بنتے ہیں! ان میں سے ایک ایک عامل کا جائزہ لے کر یہ بات ثابت کی جا سکتی ہے ـــــ اور یہ بات میں بلا خوفِ تردید کہہ رہا ہوں ـــــ کہ دنیا کے عام ممالک کو اپنے استحکام اور بقا کے لئے جو سہارے دستیاب ہوتے ہیں ان میں سے کوئی بھی ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو واحد سہارا ہے وہ ہمارا دین ہے۔ ہمارے بارے میں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ؏ کافر نتوانی شد ناچار مسلمان شو ـــ ہم کافر ہو ہی نہیں سکتے ہمیں تو لامحالہ مسلمان ہونا پڑے گا۔

دوسری بات بھی جو اپنی جگہ ایک مکمل تقریر کا موضوع ہے ـــــ یہ کہ پاکستان میں اسلام

---

[1] محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ تقاریر 'میثاق' کے جنوری، اپریل اور مئی ۸۵ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہیں۔ (مرتب)

نہ انتخابی طریق سے آسکتا ہے اور نہ اس ضیائی طریق سے آسکتا ہے جو سوا سات سال سے ہمارے ملک میں چل رہا ہے۔ اس کے لئے واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے ـــــ اب اس کے لئے بھی دلائل و شواہد چاہئیں۔ انتخابات میں بھی اسلامی نظام کے قیام کے لئے لوگوں نے حصّہ لیا ہے۔ اور آئندہ جب کبھی بھی انتخابات ہوں گے لوگ حصّہ لیں گے اور نیک نیّتی سے لیں گے کہ اس طریق سے اسلام کی سربلندی کے لئے کام کریں۔ انتخابات میں حصّہ لینے والوں میں یقیناً ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی اصل غرض حصولِ اقتدار ہوگی لیکن یقیناً ایسے لوگ بھی ہوں گے جو نہایت خلوص کے ساتھ اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسی انتخابی طریق کار پر عمل پیرا رہے ہیں اور رہیں گے۔ لیکن مجھے اس سے شدید اختلاف ہے جس کے لئے میرے پاس قوی اور مستحکم دلائل ہیں۔ جن کو وقتاً فوقتاً میں بیان بھی کرتا رہتا ہوں۔ لیکن اس وقت یہ میری گفتگو کا موضوع نہیں ہے۔ بہرحال اس بات کا حاصل یہ ہے کہ پاکستان میں اسلام اگر آسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف انقلابی عمل کے ذریعے سے ہی آسکتا ہے۔

تیسری بات یہ کہ ظاہر بات ہے کہ جب پاکستان کی غالب آبادی سُنّی آبادی ہے تو یہاں جو بھی انقلاب آئے گا اور اس کے نتیجہ میں یہاں جو بھی نظام قائم ہوگا وہ سُنّی تصورِ خلافتِ عامّہ پر مبنی ہوگا نہ کہ شیعی تصورِ امامتِ معصومہ پر ـــــ یہ دونوں تصورات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان کو باہم دگر کسی طور پر بھی ملایا نہیں جاسکتا ـــــ ان امور پر میں سابقہ تقریروں میں قدرے تفصیل سے گفتگو کر چکا ہوں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ وہ انقلاب اگر آئے گا تو خالصتہً اس نہج پر آئے گا کہ جس نہج پر محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے انقلاب بپا کیا تھا۔ اس کے لئے پچھلی مرتبہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ کا یہ قول بھی آپ کو سنایا تھا کہ: لا یصلح آخر ھذہ الامّۃ الّا بما صلح بہ اوّلھا۔ "اس امّت کے آخری حصّہ کی اصلاح نہیں ہوسکے گی مگر صرف اس طریق پر کہ جس پر پہلے حصّہ کی اصلاح ہوئی تھی" ـــــ اس قول کے متعلق میرا اپنا جو تأثر ہے اسے ویسے تو ایک اذعانی و وجدانی بات کہا جائے گا لیکن مجھے اس پر اتنا ہی یقین ہے جتنا اس پر ہے کہ کل سورج طلوع ہوگا ـــــ پھر یہ کہ اس کارگاہِ عالم کی زندگی کا آخری دور شروع ہو چکا ہے۔ حالات اس رُخ پر جا رہے ہیں کہ جن کی خبر دی تھی نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ـــــ اس بارے میں بھی میں گذشتہ تقریروں میں اشارات اور قرائن پیش کر چکا ہوں۔

چوتھی بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ آخری دور میں اسلام کے عالمی غلبہ کی جو خبر الصادق و المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، اس کا بھی عمل یقیناً شروع ہوگا۔ کہاں سے شروع ہوگا اور کس خطۂ ارضی کو یہ سعادت نصیب ہوگی، یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ اللہ بہتر جانتا ہے ـــــ آپ کو معلوم ہے کہ مکہ سے مایوس ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طور پر طائف کا انتخاب فرمایا تھا۔ لیکن طائف میں جو کچھ حضورؐ کے ساتھ ہوا، وہ آپ حضرات کو معلوم ہے۔ یوم طائف کو نبی اکرمؐ نے اپنی حیاتِ طیبہ کا سخت ترین دن قرار دیا تھا۔ وہاں سے آپؐ کو ناکام واپس آنا پڑا ـــــ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا مدینہ منورہ کا۔ حضورؐ کے قدم مبارک وہاں پہنچے بھی نہیں اور وہاں انقلاب آگیا۔ تمہیداً چھ افراد حج کے موقع پر ایمان لائے۔ اگلے سال ان میں سے پانچ اور سات دوسرے افراد یعنی کل بارہ افراد حاضرِ خدمت ہوگئے۔ انہوںؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسے کتب سیرتِ مطہرہ میں بیعت عقبۂ اولیٰ کہا جاتا ہے ـــــ اور درخواست کی کہ ہمیں اپنا کوئی جان نثار شاگرد دیجئے جو ہمیں قرآن پڑھائے۔ اور یثرب میں جو مدینہ منورہ کا پہلا نام ہے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دے۔ لہٰذا حضورؐ نے حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جاؤ ـــــ انؓ کی ایک سال کی تعلیم قرآن اور دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں اگلے سال بہتّر مرد اور تین خواتین کل پچھتر افراد آگئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت ہوگئی اور یہ بیعت ہجرت کی تمہید بن گئی۔ اسے بیعتِ عقبۂ ثانیہ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ان پچھتر انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا ہے کہ حضورؐ آپ ہمارے یہاں تشریف لائیے۔ اگر قریش یثرب پر حملہ آور ہوں گے تو ہم آپؐ کی اس طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے اہل و عیال کی کرتے ہیں۔ بعدہٗ جب حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو وہاں استقبال کی تیاریاں تھیں۔ کئی دن سے روزانہ لوگ شہر سے باہر آکر آپؐ کی تشریف آوری کے منتظر رہتے تھے۔ یہاں مکہ میں قریش خون کے پیاسے ہیں جہاں تیرہ برس حضورؐ نے بنفسِ نفیس دعوت دی ـــــ وہاں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین دن رات غارِ ثور میں روپوش رہنا پڑا ہے۔ پھر یہ کہ تعاقب ہو رہا ہے۔ سراقہ ابن مالک جو بعد میں دولتِ ایمان سے بہرہ مند ہوگئے دو مرتبہ قریب پہنچ گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر حفاظت فرمائی ہے ـــــ مکہ کا حال تو یہ ہے اور اہلِ مدینہ سراپا انتظار آپؐ کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں اور حضورؐ کا وہاں داخلہ ہو رہا ہے ایک بے تاج بادشاہ کی حیثیت

سے صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت اور اس کی قدرت میں ہوتا ہے کہ وہ کس جگہ کو سعادت عطا فرماتے۔ کون سے مقام کو چُن لے۔ یہ اللہ کا انتخاب ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور عالمی سطح پر دینِ حق کے غلبہ کا آغاز کس ملک سے ہوگا! لیکن یہ بات میں پورے یقین و وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ آخری دور کے بارے میں جن واقعات و حالات کی خبریں احادیثِ صحیحہ میں دی گئی ہیں، وہ دور آچکا ہے۔ اس کا آغاز ہوگیا ہے۔ کسی نہ کسی خطۂ ارضی کو یہ سعادت حاصل ہوکر رہے گی کہ اسے اللہ تعالیٰ منتخب فرمالے صحیح اسلامی انقلاب کے لئے ـــــ اور یہ انقلاب بالکل اسی نہج پر آئے گا جس نہج پر برپا فرمایا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بقول امام مالکؒ لَا یَصْلُحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا۔ تو یہ "آخر" والی بات شروع ہو چکی ہے۔ ان شاء اللہ کہیں نہ کہیں اُسی نہج پر انقلاب آئیگا۔ جو عالمی سطح پر غلبۂ دین کی تمہید بنے گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ پاکستان کا یہ خطۂ ارضی جو حقیقت کے اعتبار سے مملکتِ خداداد ہے۔ یہ ہمارے قوتِ بازو اور ہماری جدوجہد کا نتیجہ نہیں ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اس سعادت کے لئے قبول فرمالے۔ میں پچھلی مرتبہ عرض کرچکا ہوں کہ بظاہر احوال مایوسی کے گھٹاٹوپ اندھیرے سامنے آتے ہیں پھر امید بندھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی چیز بعید نہیں ہے۔ اس کی شانِ والا تبار یہ ہے کہ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔ اُسے ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔ وہ ثمر سے خیر برآمد کرتا ہے جس کا کہیں سان گمان تک نہیں ہوتا ـــــ لہٰذا ہمیں اس تبارک و تعالیٰ کے فضل اور قدرت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم معروضی طور پر یعنی Objectively غور کریں۔ اور سمجھیں کہ انقلاب کا "محمدی طریق" ہے کیا؟ علیٰ صاحبہ الصّلوٰۃ والسّلام۔

اب میں اپنی اصل گفتگو کا آغاز کر رہا ہوں اور اس کو میں تین مرحلوں میں آپؐ کے سامنے رکھوں گا۔ ایک بات تو بالکل آغاز ہی میں سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے واقعات و حالات کے حوالوں اور References کے بغیر اصولی طور پر یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ انقلاب کسی بھی نوع کا ہو اس کے لئے چھ مراحل طے کرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اس نتیجہ تک مجھے پہونچانے والا ذریعہ سیرت النبیؐ ہی ہے اور میں اس بات تک سیرتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے معروضی مطالعے سے پہنچ پایا ہوں۔

البتہ یہ ضرور ہے کہ سیرتِ مطہرہ کے دوران جو حالات و واقعات پیش آئے ان سے استقراء کے ذریعہ سے، انہیں خاص سے عام کرکے انہیں Generalize کرکے جو اصول و مبادی مستنبط ہوتے ہیں ان کی روشنی میں پہلے میں آپ کے سامنے یہ بات رکھوں گا کہ انقلابی عمل کے مراحل، مدارج اور لوازم کیا کیا ہیں؟ پھر دوسری بات میں یہ بتاؤں گا کہ اس مستنبط خاکے میں رنگ بھرنے کے لئے ہمیں سیرتِ مبارکہ سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ کیا ہے؟! اور تیسری بات جو عملی اعتبار سے میرے لئے اور آپ حضرات کے لئے بہت ضروری ہے، یہ ہوگی کہ ہمارے حالات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ سعید کے حالات میں بہرحال چودہ سو برس سے کچھ زیادہ ہی مدت کا فصل ہے۔ حالات میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہوا ہے۔ انسان کے تمدنی و عمرانی تصورات میں بہت کچھ ارتقاء ہوا ہے پھر ایک نمایاں ترین فرق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا انقلابی عمل ایک خالص مشرکانہ و کافرانہ ماحول میں پایۂ تکمیل کو پہونچا تھا جبکہ ہمیں اسلامی انقلاب کے لئے جو کام کرنا ہے، وہ مسلمانوں میں کرنا ہے، کافروں میں نہیں کرنا۔ لہٰذا ان حالات کی بنا پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ جو طریقِ کار ہمیں سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ملتا ہے آیا بعینہٖ وہی ہوگا یا اس طریقِ کار میں ہمیں درپیش حالات کے فرق و تفاوت کی وجہ سے کہیں کہیں کچھ اجتہاد کرنا ہوگا! یہ ہے تیسری اہم ترین بات اس لئے کہ کوئی سلیم العقل شخص بھی بہرحال اس کی نفی نہیں کرسکتا کہ ایک معاملہ ہے خالص مشرکوں اور کافروں میں کام شروع کرنے کا اور ایک معاملہ ہوگا ان لوگوں میں کام کرنے کا جو بہرحال اعتقاداً اور قانوناً مسلمان ہیں۔ وہ مدعی ہیں کہ ہم توحید کو بھی مانتے ہیں، رسالت کو بھی ختم نبوت و تکمیل رسالت کے عقیدہ کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ الغرض خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہونے کے مقر ہیں۔ چاہے ان کی عظیم اکثریت بے عمل ہو۔ سیرت و کردار کے اعتبار سے ان کی عظیم اکثریت اور غیر مسلموں کے مابین کوئی فرق نہ رہ جائے۔ لیکن یہ بڑا عظیم فرق ہے کہ بہرحال وہ مسلمان ہیں[1]۔ لہٰذا ان حالات میں منہج انقلاب میں کیا فرق و تفاوت ہونا چاہیئے! تیسری بات پر تفصیلی گفتگو کے ضمن میں یہ امر بھی حسبِ موقع زیرِ بحث آئیگا۔

اب آیئے ابتدائی بات کی طرف۔ میں نے عرض کیا تھا کہ انقلاب کسی بھی نوع کا ہو اس

---

[1] راقم کو اس موقع پر رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر مرحوم و مغفور کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کے لئے چھ مراحل سے گزرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ اعلام و ابلاغ کے لئے ان چھ مراحل کو تین تین مرحلوں کے دو دو حصّوں میں تقسیم کر لیجئے۔ اب اس تقسیم کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے چونکہ میری گفتگو میں ان کا بار بار حوالہ آئے گا ـــــ آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنی پہلی تقریر میں عرض کیا تھا[1] کہ موجودہ دور میں انسانی زندگی کو عام طور پر دو حصّوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی ـــ مذہب کا تعلق انفرادی زندگی سے ہے اور اجتماعیت کے لئے بنیاد ہے سیکولرازم (Secularism) یعنی لادینیت ـــ میں نے لامذہبیت نہ پہلے کہا اور نہ اب کہہ رہا ہوں۔ اس لئے کہ سیکولرازم مذہب کو تسلیم کرتا ہے لیکن اسے صرف انفرادی زندگی میں دائر قرار دیتا ہے۔ اس انفرادی مذہبی زندگی کے بھی تین حصّے ہیں۔ عقیدہ (Dogma)۔ عبادات (Rituals) اور چند سماجی رسوم (Social Customs) ـــ ادھر اجتماعی زندگی کے بھی تین حصّے ہیں۔ معاشرتی نظام۔ معاشی نظام اور سیاسی نظام۔ گویا تین گوشے انفرادی زندگی کے اور تین گوشے اجتماعی زندگی کے۔ ملا کر کل 'چھ' گوشے ہو گئے۔

اسی طریقہ سے انقلابی عمل کے مراحل کو بھی اپنے ذہنوں میں ۳+۳=۶ کے ہندسہ کے حوالہ سے مستحضر کر لیجئے ـــ پہلا مرحلہ ہے کہ کوئی انقلابی نظریہ، کوئی انقلابی فکر، کوئی انقلابی فلسفہ ہو اور اس کی نشر و اشاعت ہو۔ ظاہر بات ہے کہ انقلاب آتا ہے کسی انقلابی نظریہ کی بنیاد پر۔ اس کا نقطۂ آغاز (Starting Point) یہ ہے کہ اس نظریہ کی نشر و اشاعت کی جائے، اسے پھیلایا جائے، اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور لوگوں کو اس نظریہ کی افادیت کا دلائل سے قائل بنایا جائے۔ اس میں نوٹ کرنے کی اہم بات یہ ہے کہ وہ انقلابی نظریہ اُن تین گوشوں میں سے کسی ایک سے لازماً متعلق ہونا چاہیئے جو اجتماعی زندگی کے ہیں، انقلاب جب ہی

(تسلسل) مولانا کانگریس میں شامل تھے اور لکھنؤ میں اس کے ایک جلسہ میں تقریر کر رہے تھے کہ کسی نے تحریری سوال بھیجا " مولانا اسلام کے نقطۂ نظر سے آپ کی گاندھی جی کے متعلق کیا رائے ہے؟" مولانا نے کسی مداہنت و مصلحت کے بغیر دو ٹوک جواب دیا کہ " میں گاندھی جی کو سیاسی اعتبار سے ملک کا عظیم ترین لیڈر تسلیم کرتا ہوں لیکن اسلام کے نقطۂ نظر سے ان کے مقابلہ میں ایک فاسق و فاجر کلمہ گو کو بھی افضل سمجھتا ہوں۔" مولانا مرحوم کی یہ حق گوئی بہرحال رنگ لائی اور انہیں طرح طرح سے تنگ کیا گیا اور وہ کانگریس کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔

[1] مراد ہے ۳۱، ۸، ۸۴ والی تقریر " کیا پاکستان میں ایرانی طرز کا انقلاب ممکن ہے؟" (شائع شدہ 'میثاق' بابت جنوری ۸۵ء) (مرتب)

آئے گا ـــــ اگر مذہبی اصلاح کا کام ہو رہا ہے، عقائد کی تصحیح ہو رہی ہے، عبادات کی ادائیگی کی ترغیب و تشویق ہو رہی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کی ترویج ہو رہی ہے تو یہ ہیں مذہبی کام، یا بالفاظ دیگر روحانیت اور اخلاقی اصلاح کے کام ـــــ لیکن انقلابی عمل کا آغاز تو کسی ایسے نظریہ کی بنیاد پر ہوگا جس کا تعلق انسان کی معاشرتی زندگی، معاشی زندگی اور سیاسی زندگی سے ہو۔ اس لئے کہ انقلاب کا در حقیقت محل، مقام اور میدان اجتماعی زندگی کا دائرہ ہے۔ لہٰذا یہ بات یہاں نوٹ کر لیں کہ کوئی ایسا نظریہ، کوئی ایسا فلسفہ، کوئی ایسا فکر جو انسان کی اجتماعی زندگی کے کسی گوشے کے بارے میں ایک 'انقلابی نظریہ' کو سامنے رکھتا ہو اور وہاں جو نظام قائم ہے اس کی جڑوں پر وہ تیشہ بن کر گرتا ہو تو انقلابی عمل کا آغاز ہوگا۔

دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ جو لوگ اس انقلابی نظریہ کو ذہناً قبول کر لیں کہ ہاں یہ صحیح ہے، حق ہے، تو اب ان کو منظم کیا جائے۔ ایک انقلابی جماعت وجود میں آئے اور یہ بات جان لیجئے کہ اس جماعت کے لئے دو چیزیں لازمی ہونگیں۔ ایک تو یہ کہ اس کے cadres، اس کی درجہ بندی بالکل نئی ہونی چاہیئے۔ پرانے نظام کے تحت لوگوں کی جو درجہ بندی ہے اگر وہی درجہ بندی اس جماعت کے اندر آگئی تو پھر وہ انقلابی جماعت نہیں ہوگی۔ یہاں تو بالکل نئی درجہ بندی ہوگی کہ کون کس قدر گہری وابستگی (Commitment) اس انقلابی نظریہ سے رکھتا ہے! کس نے اس انقلابی نظریہ کے تقاضوں کو خود اپنے آپ پر لازم کیا ہے! اور کون اس انقلابی نظریہ کے لئے کتنی قربانی دے چکا ہے اور کتنی مزید دینے کو تیار ہے! جس نے جتنی پیش قدمی کی ہے اتنا ہی وہ آگے چلا جائے گا چاہے سابقہ نظام میں وہ شودروں اور اچھوتوں میں شمار ہوتا ہو۔ وہ سب سے گھٹیا لوگوں میں شمار ہوتا ہو۔ اس کی کوئی حیثیت نہ ہو۔ لیکن اگر اس نے اس انقلابی نظریہ کو خلوص و اخلاص اور گہرائی کے ساتھ قبول کیا ہے۔ اس کے ساتھ اس کی مکمل ذہنی اور عملی وابستگی (Commitment) ہے۔ اس کے لئے وہ قربانیاں دے رہا ہے تو وہ پیدائشی سیدوں سے توقیر، تکریم اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے کہیں آگے نکل جائے گا۔ اگر یہ بات نہیں ہوگی تو وہ جماعت انقلابی جماعت نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ تمام اقدار برقرار ہیں جو سابقہ نظام کے اندر تھیں۔ لہٰذا پہلی چیز تو یہ ہوئی کہ نئے cadres (درجہ بندی) کے ساتھ نئی پارٹی اور دوسری چیز یہ کہ اس پارٹی کا اگر نظم (Discipline) فوج والا نہ ہو تو یہ پارٹی انقلاب نہیں لا سکتی۔ کوئی ڈھیلی ڈھالی ایسوسی ایشن، کوئی انجمن ٹائپ کی شے، کوئی چار آنے کی ممبری والی جماعت ـــــ کوئی ایسی ہیئت

اجتماعیہ انقلاب نہیں لاسکتی۔ ہر اجتماعی کام کی نوعیت اور مقصد کے اعتبار سے اسی نوع کی انجمن یا ادارہ یا جماعت کی ضرورت ہے۔ کوئی اصلاحی کام کرنا ہے کوئی انجمن بنا لیجئے۔ کوئی تعلیمی کام کرنا ہے تو کوئی ادارہ قائم کر دیجئے۔ مذہبی دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہے تو کوئی جمعیت بنا لیجئے۔ انتخابی سیاست کا کام کرنا ہے تو ممبری کی کوئی فیس مقرر کر کے بڑے پیمانے پر اپنے ہمخیال افراد کی ممبر سازی کر لیجئے اور ایک سیاسی جماعت بنا لیجئے۔ لیکن اگر انقلاب لانا ہے تو اس کے لئے ایسی "پارٹی" درکار ہوگی جس کے ایک تو Cadres بالکل نئے ہوں اور دوسرے یہ کہ وہ اس طرح مربوط اور منظم ہو کہ اس کا ڈسپلن فوج والا ڈسپلن ہو کہ جو حکم ملے مانا جائے ــــ یہ نہیں ہوگا تو انقلاب نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ ایک جمے ہوئے نظام کا کھاڑ پھینکنا ہے۔ ایک مضبوط طاقت کے ساتھ ٹکراؤ کا مرحلہ آنا ہے۔ اس میں ڈھیلی ڈھالی انجمن ٹائپ ایسوسی ایشن کام نہیں دے سکتی۔

انقلابی عمل میں تیسرا مرحلہ ہوتا ہے۔ Training کا تربیت کا ــــ میں دانستہ طور پر اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے سے گریز کر رہا ہوں تاکہ آپ مجرد فلسفۂ انقلاب کو سمجھ لیں۔ اس کے لئے میں نے ٹریننگ کی وضاحت کے لئے تربیت کا لفظ استعمال کیا ہے۔ چونکہ درحقیقت تربیت قرآن و حدیث کی اصطلاح نہیں ہے۔ قرآنی اصطلاح میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ ــــ تربیت ہر انقلابی عمل کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر انقلابی کارکنوں کی تربیت نہ ہو تو وہ خام ہیں، کچے ہیں۔ تربیت ہوگی تو وہ پختہ ہوں گے۔ میں نے مختلف مواقع پر دو شعر سنائے ہیں۔ ایک شعر علامہ اقبال کے مرشدِ معنوی اکبر الہ آبادی کا۔ یہ کہ ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

کچے اور خام لوگوں کو جمع کر لیں گے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ ٹھس ہو کر رہ جائیں گے۔ اگلے مرحلہ میں جا کر جواب دے جائیں گے۔ وہ خالی کارتوس ثابت ہوں گے۔ یہاں ضرورت ہے کہ ہر کارکن پختہ ہو۔ اس بات کو ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا ہے۔ ان کا اپنا ایک انداز ہے۔ یہ دوسرا شعر بھی میں بارہا سنا چکا ہوں۔ وہ کہتے ہیں ؎

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

یہی وجہ ہے کہ ہر انقلابی پارٹی کے Training Camps ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ بات یہیں نوٹ کر لیجئے کہ وہ تربیت ہوگی انقلاب کے نظریہ اور فکر کی مناسبت سے۔ اگر انقلاب خالص مادّی اقدار والا انقلاب ہے تو ان کارکنوں کی روحانی تربیت کرنا بیکار ہے۔ لیکن اگر پیشِ نظر وہ انقلاب ہے اور اس نظام کا قیام ہے جس کے اہم ترین ابعاد (Dimensions) اخلاقی اور روحانی ہیں تو اگر یہ چیزیں انقلابی کارکنوں میں نہیں ہوں گی تو انقلاب کے کامیاب ہونے کے نتیجہ میں کہاں سے آجائیں گی!۔ لہٰذا ایسے انقلاب کے کارکنوں کے لئے اخلاقی و روحانی تربیت بھی لازمی ہوگی بلکہ اس کو اقدمیت و اوّلیت کا درجہ حاصل ہوگا

پس یہ ابتدائی تین مرحلے ہیں۔ ان تینوں کا حاصل کیا ہے! تربیت یافتہ کارکنوں پر مشتمل ایک انقلابی جماعت وجود میں آجائے اور ایک طاقت اور ایک قوّت بن جائے !!

اگلے جو تین مرحلے ہیں ان کے لئے جامع عنوان ہے "تصادم"۔۔۔۔ لفظ ناپسندیدہ ہے۔ اچھا نہیں لگتا۔ امن پسند لوگ اس سے اُبھرائیں گے لیکن یہ جان لیجئے کہ انقلاب تصادم کے بغیر نہیں آتا۔

؎ جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں ؟

مذہبی اصلاح کا کام کرنا ہو، کسی تصادم کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف عام نوعیّت کی روحانی تربیت گاہیں کھولنی ہوں اور خانقاہی نظام بنانا ہو، کسی تصادم کی ضرورت نہیں ہے خانقاہ میں کوئی مربّی، کوئی شیخ بیٹھے ہیں، جو وہاں خود چل کر آئے گا اسے وہ اپنے تربیتی پروگرام میں شامل کر لیں گے۔ بات ختم ہوگئی۔ تصادم کوئی نہیں ۔۔۔۔ لیکن اگر نظام بدلنا مقصود و مطلوب ہو اور پھر تصادم سے گریز ہو تو یہ کیسے ممکن ہے؟ یہ تو بالکل ایسی بات ہے جیسے دو محالات اور دو متضاد چیزوں کو جمع کرنے کی خواہش ہو ۔۔۔۔ یہ خواہش اپنی جگہ کتنی ہی اچھی ہو لیکن یہ محالِ مطلق ہے، تصادم تو ہوگا یہ انقلاب کے لوازم میں سے ہے ۔۔۔۔

یہاں ایک اور بات ذہن نشین کر لیجئے کہ واقعات و حالات کے تفصیلی تجزیہ کے نتیجہ سے یہ طے کرنا کہ کس کی زیادتی ہے! کون ظالم ہے اور کون مظلوم! یہ بالکل علیحدہ بات ہے لیکن یہ بدیہی امر ہے کہ تصادم کا آغاز اصل میں انقلابی جماعت کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک نظام قائم و نافذ ہے۔ جیسا بھی ہے وہ چل رہا ہے۔ اگر ظالمانہ، استبدادی اور

استحصالی ہے تو جو مظلوم طبقات ہیں وہ اس نظام کو برداشت اور تسلیم (Reconcile) کئے ہوئے ہیں۔ ان حالات میں ایک جماعت ابھرتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ نظام غلط ہے ہم اس کو بدل کر رہیں گے۔ تو درحقیقت تصادم کا آغاز اس جماعت نے کیا۔ اس نے اس نظام کو غلط قرار دے کر اس کو بدلنے کا جو عزم کا اظہار کیا جو وہاں ایک طویل عرصہ سے چلا آرہا ہے۔ جس کے ساتھ لوگوں کی اقدار وابستہ ہیں جس کے ساتھ لوگوں کے مفادات وابستہ ہیں۔ جو ان کے یہاں قابل احترام روایات کا درجہ رکھتا ہے۔ اسے وہ انقلابی جماعت کہتی ہے کہ یہ غلط نظام ہے۔ گویا کہ تصادم کا آغاز اصلاً انقلابی جماعت کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے اسے تین مدارج (Phases) کے حوالوں سے سمجھ لیجئے:!

پہلا درجہ ہے Passive Resistance۔ یعنی صبر محض کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انقلابی جماعت اس نظام کو غلط و فاسد قرار دیتی ہے تو لوگ اس جماعت کو چھوڑیں گے نہیں! پہلے وہ کیا کریں گے! انقلابی فکر اور نظریہ کو چٹکیوں میں اڑائیں گے۔ استہزاء اور تمسخر کریں گے۔ فقرے چست کریں گے۔ مذاق اڑائیں گے۔ کہیں گے کہ دماغ خراب ہوگیا ہے دیوانے اور مجنون ہیں۔ لیکن اگر اس انقلابی جماعت کا قائد اور اس کے معدودے چند ساتھی اس وار کو جھیل گئے اور نظریہ کی نشر و اشاعت کا عمل جاری ہے، آگے بڑھ رہا ہے اور لوگ اس کو قبول کر کے جماعت میں شامل ہو رہے ہیں تو مخالفین کو محسوس ہوگا کہ یہ ہوا کا کوئی معمولی جھونکا نہیں ہے اس میں تو ایک زبردست آندھی اور طوفان کے آثار پوشیدہ ہیں جو ہمارے تمام مفادات کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے جائیں گے۔ لہٰذا اب تشدد (Persecution) شروع ہوگا۔ ان کو تعذیب کرو، ان پر تشدد کرو۔ ان کو مارو پیٹو۔ عقوبت اور ایذا رسانی کی کوئی کسر نہ چھوڑو۔ یہ معاملہ پیش آنا لازمی ہے۔ لیکن اس دور کے لئے اس انقلابی جماعت کا پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ ماریں کھاؤ لیکن نہ اپنے موقف سے ہٹو اور نہ ہی اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ چونکہ اگر اس جماعت نے بھی Retaliate کیا یعنی بدلہ میں اس نے بھی ہاتھ اٹھالیا اور وہ جماعت بھی Violent ہوگئی، اس نے بھی جواب میں تشدد انہ رویہ اختیار کرلیا تو جو جما جمایا نظام ہے اسے اس جماعت کو کچلنے اور نیست و نابود کرنے کا قانونی و اخلاقی جواز مل جائے گا۔ یہ جواز ان کو نہ دیا جائے۔ بے جواز ماریں اور پٹیں، ایذا رسانی کرتے رہیں یہ بات اور ہے لیکن ان کو یہ الزام لگانے کا موقع ہرگز نہیں ملنا چاہیے

کہ یہ جماعت خود بھی متشدّد ہے اور عوام الناس کو بھی تشدّد اور بدامنی کے لئے ابھار رہی ہے۔

اس عدم تشدّد کی پالیسی پہ کاربند رہنے سے وہ لوگ ایذا رسانی اور مارنے سے باز نہیں آئیں گے لیکن اس کا نتیجہ یہ ضرور نکلے گا کہ اس معاشرہ کی Silent Majority (خاموش اکثریت) اس جماعت کے حق میں ہموار ہوتی چلی جائے گی۔ قدرتی طور پر ان کے ذہنوں میں یہ سوال ہیجان پیدا کر دے گا کہ آخر یہ لوگ کیوں پیٹے جا رہے ہیں! ان کو ایذائیں کیوں دی جا رہی ہیں! آخر ان کا جرم کیا ہے! کیا انہوں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے؟ کسی غیر اخلاقی حرکت کا ارتکاب کیا ہے؟ ــــــ یہ اکثریت ہمیشہ خاموش (silent) ہوتی ہے لیکن اندھی اور بہری تو نہیں ہوتی! وہ دیکھتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے! اور اس کے قلوب و اذہان میں اس انقلابی جماعت کے لئے ہمدردی کے جذبات اور احساسات غیر محسوس طریق پر پروان چڑھتے رہتے ہیں ــــ اور یہ چیز بھی درحقیقت اس انقلابی نظریہ اور فکر کے پھیلنے میں ایک اہم ترین کردار ادا کرتی ہے۔ اس کے لئے بڑا پیارا مصرع ہے کہ ع "جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتحِ زمانہ" ــــ اندر اندر دل تو مفتوح ہو رہے ہیں۔ چاہے زبانیں خاموش ہیں، لوگوں میں جرأت نہیں کہ وہ سامنے آجائیں۔ لیکن وہ انقلابی نظریہ اور فکر لوگوں کے ذہن و قلب میں ہمدردی بلکہ نظریہ کی حقّانیت کے لئے گھر کرتا چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد جب طاقت اتنی فراہم ہو جائے کہ وہ انقلابی جماعت یہ محسوس کرے کہ اب ہم کھلم کھلا اور برملا اس غلط نظام کو چیلنج کر سکتے ہیں اور اس نظام کا مقابلہ کر سکتے ہیں تو اس مرحلہ پر۔ یہ صبر محض (Passive Resistance) اپنے اگلے مرحلے یعنی اقدام ــــ (Active Resistance) میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب حکمتِ عملی تبدیل ہو گی کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دو۔ ان کے تشدّد کا جواب بھرپور طریقہ پہ دو یا اس نظام کی کسی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑو ــــ آگے چل کر ان تمام باتوں کی تشریح ہو جائے گی ــــ اس کے نتیجہ میں چھٹا اور آخری مرحلہ شروع ہو گا اور وہ ہے مسلّح تصادم ــ جب تک وہ انقلابی جماعت اقدام نہیں کر رہی تھی یعنی ماریں کھا رہی تھی اور ہاتھ نہیں اٹھا رہی تھی۔ تب تک اور بات تھی۔ اگر اس جماعت نے بھی ہاتھ اٹھا لیا تو وہ نظام اس پر پوری طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گا اور یہ ہے وہ آخری مرحلہ (Final Phase) جس کے اندر جسمانی ٹکراؤ (Physical Collision) ہو کر رہتا ہے۔ اسی کے

یہ اصطلاح ہے مسلح تصادم یعنی Armed Conflict ـــــ اسے آپ اپنے ذہن میں رکھیں۔

ظاہر بات ہے کہ جب یہ چھٹا مرحلہ شروع ہو جائے تو فریقین کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہا۔ اب تو تاریخ بتائے گی۔ حالات فیصلہ کریں گے اور دو میں سے ایک نتیجہ بہرحال نکلنا ہے اور وہ ہے تخت یا تختہ۔ تیسرا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اگر پہلے پانچ مراحل صحیح طور پر طے ہوئے ہیں۔ مستحکم ہوتے ہوئے اور Consolidate کرتے ہوئے وہ انقلابی عمل آگے بڑھا ہے۔ صحیح تربیت ہوئی ہے، صحیح تنظیم ہوئی ہے اور خاص طور پر یہ بات کہ پہلے پانچوں مراحل کو طے کرنے کا صحیح حق ادا کیا گیا ہے تو انقلابی جماعت کامیاب ہو جائے گی۔ انقلاب وقوع پذیر ہو جائے گا اور اس انقلابی نظریہ کے مطابق نظام یکسر تبدیل ہو جائے گا۔ ورنہ اسے کچل کر رکھ دیا جائے گا تخت یا تختہ یہ دو انجام ہیں، تیسرا کوئی نہیں۔

یہ چھ مراحل (Phases) ہیں۔ ان کے متعلق پھر عرض کرتا ہوں کہ ان کو تین تین کے دو حصوں میں تقسیم کر لیجئے۔ پہلے تین مراحل کا حاصل ہے:

کسی انقلابی نظریہ، فکر، فلسفہ کو قبول کرنے والوں کا ایک تربیت یافتہ اور منظم جماعت کی شکل میں وجود میں آجانا۔

دوسرے حصہ کے بھی تین مراحل ہیں اور وہ ہیں:

صبر محض (Passive Resistance) ۔ اقدام (Active Resistance) اور مسلح تصادم (Armed Conflict) اور اس کا نتیجہ تخت یا تختہ

اب اگر انقلاب کامیاب ہو جائے تو ایک ساتواں مرحلہ (Seventh Phase) اور شروع ہو گا۔ ان چھ مراحل سے تو کسی ایک ملک میں انقلاب کی تکمیل ہوتی ہے۔ ساتواں مرحلہ ہوتا ہے اس انقلاب کی توسیع۔ اس لئے کہ ایک نظریاتی انقلاب کا یہ خاصہ ہے کہ وہ جغرافیائی اور قومی حدود کا پابند نہیں ہوتا۔ وہ ایک فکر، ایک فلسفہ، ایک نظریہ کی بنیاد پر آتا ہے اور نظریہ وہ شے ہے کہ اس کے لئے نہ پاسپورٹ کی ضرورت ہے نہ ویزا کی حاجت ہے۔ نظریہ کے لئے سرحدیں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ نظریہ تو امریکہ جیسے دور دراز ملک سے چلتا ہے اور پاکستان پہونچتا ہے۔ نظریہ کے بڑے مضبوط پر ہوتے ہیں جن کے ساتھ وہ اڑتا ہوا سرحدوں کے تمام موانعات (Barriers) کو عبور کرتا ہے۔ اگر اس نظریہ میں جان ہے تو وہ دوسرے ممالک میں اپنی جڑیں قائم کرے گا جس کے نتیجہ میں انقلاب کی توسیع

ہوگی اور وہ پھیلے گا۔ جیسے انقلابِ فرانس۔ فرانس تک محدود نہیں رہا۔ بالشویک ریوولیوشن یعنی اشتراکی انقلاب صرف روس تک محدود نہیں رہا۔ انقلاب کا یہ خاصّہ ہے کہ پہلے کسی ایک ملک کسی ایک علاقے (Territory) میں آتا ہے۔ وہاں اس کے ثمرات کا ظہور ہوتا ہے پھر اس کی بین الاقوامی سطح پر توسیع کا عمل شروع ہوتا ہے۔

انقلاب کے ان سات مراحل (۳+۲+۲+۱) کے متعلق سمجھ لیجئے کہ میں نے ان کو اخذ کیا ہے سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے۔ اس کے سوا میرا ماخذ اور کوئی نہیں ہے۔ میں یہ بات بار بار عرض کر چکا ہوں کہ کامل اور ہمہ گیر انقلاب کا منہاج اور نقشہ صرف مل ہی سکتا ہے سیرتِ محمدیؐ سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاریخِ انسانی میں کامل انقلاب (Total Revolution) صرف اور صرف حضرت محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا ہے۔ باقی دنیا کے جو انقلابات مشہور ہیں وہ جزوی انقلاب تھے۔ فرانس کے انقلاب سے صرف سیاسی ڈھانچہ بدلا۔ معاشی نہیں بدلا۔ معاشرتی نہیں بدلا۔ روحانی و اخلاقی نہیں بدلا۔ عقائد نہیں بدلے۔ روسی انقلاب سے صرف معاشی ڈھانچہ بدلا۔ سیاسی ڈھانچہ میں ایک جزوی تبدیلی یہ آئی کہ صرف ایک پارٹی ہی کے نمائندوں پر مشتمل حکومت کا نظام قائم ہوگا ــــــ انسانی زندگی کے چھ کے چھ گوشوں اور چیزوں یعنی عقائد، عبادات، سماجی رسوم، معاشرتی سسٹم، معاشی و اقتصادی سسٹم اور سیاسی سسٹم کو بدلا ہے تاریخ انسانی میں تو صرف ایک مرتبہ بدلا اور یہ بدلا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ پس جسے کامل، ہمہ گیر، گھمبیر اور Total Revolution کہا جائے تو وہ ہے ہی ایک، صرف ایک اور وہ ہے صرف رسولِ آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا انقلاب ــــــ حضوؐر کے لائے ہوئے انقلاب کے متعلق میں یہ کہا کرتا ہوں کہ ہمیں ڈھونڈے سے بھی اس میں کوئی چیز ایسی نہیں ملے گی جو یکسر تبدیل ہو کر نہ رہ گئی ہو۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کی جد و جہد، سعی و کوشش، محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کے نتیجہ میں لاکھوں مربع میل زمین کے ایک ملک کے رہنے والوں کی زندگیوں میں ایک ایسا انقلاب عظیم برپا ہو گیا کہ ان کی سوچ بدل گئی، ان کا فکر بدل گیا۔ ان کے عقائد بدل گئے، ان کی اقدار بدل گئیں، ان کے عزائم بدل گئے، ان کے مقاصد بدل گئے، ان کی آرزوئیں بدل گئیں، ان کی تمنائیں بدل گئیں، ان کے دن بدل گئے، ان کی راتیں بدل گئیں، ان کی صبحیں بدل گئیں، ان کی شامیں بدل گئیں، ان کی زمین بدل گئی، ان کا آسمان بدل

گیا۔ یہاں تک کہ اگر پہلے انہیں زندگی عزیز تھی تو اب موت عزیز تر ہوگئی۔ جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے۔ جو اُمّیِ محض تھے وہ متعدد علوم و فنون کے موجد بن گئے۔ جو بے شمار ذمائمِ اخلاق میں مبتلا اور ان کے خوگر تھے وہ مکارمِ اخلاق کے معلّم و داعی بن گئے۔ جو زانی اور نفس پرست تھے، وہ عصمت و عفّت کے محافظ بن گئے۔ جو بے قید حصولِ معاش کے عادی اور اسراف و تبذیر کے خوگر تھے وہ مال و دولت کے امین بن گئے[1]۔ یہ تھی گھمبیرتا، ہمہ گیری اور برکت اُس انقلاب کی جو برپا فرمایا حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلّم نے۔

پھر صرف یہی بات قابلِ ذکر نہیں ہے کہ کسی ایک انسانی زندگی میں انقلابی عمل کی تکمیل دنیا میں صرف ایک بار ہی ہوئی ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ اہم قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ انقلابی عمل کے تمام کے تمام سات مراحل آپ کو ایک فردِ واحد کی زندگی میں نظر آجائیں! یہ ممکن ہی نہیں۔ اس کی کوئی نظیر ہی نہیں سوائے خاتم النبیین سیّد المرسلین جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے۔ ایک فردِ واحد ۶۱۰ء عیسوی میں ایک انقلابی دعوت لے کر کھڑا ہوتا ہے اور ۶۳۰ء یعنی کل بیس برس میں عرب میں انقلاب تکمیل پا جاتا ہے۔ باقی دو سال اس انقلاب کی توسیع کے عمل میں گزرے ہیں۔ ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے بعد مختلف سربراہان مملکت کو دعوتی خطوط ارسال کئے گئے تھے۔ اور سفارتیں بھیجی گئی تھیں۔ ۸ھ میں مکّہ فتح ہوگیا۔ اس کے بعد کے دو سال کے عرصہ میں جنگ موتہ ہوئی جس میں سلطنت روما جیسی وقت کی سپر طاقت کے ساتھ مسلّح تصادم ہوا۔ اس کے بعد ۹ھ میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی قیادت میں سفرِ تبوک ہوا۔ اس موقع پر تیس ہزار جان نثار حضورؐ کے جلو میں تھے۔ قیصر روم ایک لاکھ سے بھی متجاوز کیل کانٹے سے لیس افواج کے ساتھ فلسطین اور شام کے سرحدی علاقوں میں موجود تھا۔ لیکن یہ بھی تاریخ کا انوکھا واقعہ ہے کہ اس کو نبی اکرمؐ کے مقابلہ میں آنے کی ہمّت نہیں ہوئی ــــ اس کی صرف یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ ہرقل قیصر روم دل میں حضورؐ کی نبوّت و رسالت کا قائل ہوچکا تھا اور جانتا تھا کہ کسی دل سے ٹکراؤ کا مطلب تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔ اسی لئے وہ دو بدو مقابلہ سے پہلو تہی کر گیا۔ ایمان اس لئے نہیں لایا کہ اس طرح اسے اپنی گدّی سے محروم ہونا پڑتا ــــ پھر یہ کہ حضورؐ نے وفات سے چند دن قبل حضرت

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے محترم ڈاکٹر صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف "نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت اور انقلابِ محمدیؐ کا اساسی منہاج" (مرتّب)

اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سربراہی میں شام کی ایک مہم کے لئے لشکر ترتیب فرمایا۔ وہ لشکر ابھی روانہ نہیں ہوا تھا کہ مرض نے شدت اختیار کی اور ربیع الاوّل ۱۱ھ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی کی طرف مراجعت فرمائی۔

اب آپ اندازہ کیجئے کہ اکیس بائیس برس کے لگ بھگ مختصر ترین عرصہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہتی انقلاب کی از ابتداء تا انتہا بنفسِ نفیس تکمیل فرمادی، جس کی دنیا میں کوئی نظیر پہلے موجود تھی نہ تاقیام قیامت ملے گی۔ ہم جو تیئس برس کہتے ہیں وہ قمری سال ہیں۔ میں نے جو بات عرض کی ہے وہ شمسی تقویم کے اعتبار سے کی ہے ـــــ دنیا کے جو دوسرے دو انقلابات مشہور ہیں یعنی فرانس اور روس کے انقلابات۔ تو ایک طرف یہ انقلابات جزوی تھے اور دوسری طرف قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان انقلابات کا فکر دینے والے اور تھے اور انقلاب برپا کرنے والے اور ـــ پھر انقلابی فکر پیش ہونے اور اس کے نتیجہ میں عملاً انقلاب بپا ہونے میں اچھا خاصا زمانی فصل ہے۔ انقلابِ فرانس اس فکر کے نتیجہ میں رونما ہوا جو وولٹیر اور روسو جیسے بیشمار مصنفوں کی کتابوں کے ذریعہ کافی عرصہ تک پھیلتا رہا ـــ اسی طرح انقلابِ روس کی اساس کارل مارکس کی کتاب "داس کیپٹال" پر قائم ہوئی لیکن خود مارکس کی زندگی میں ایک گاؤں میں بھی انقلاب کے عملاً برپا ہونے کا امکان تک پیدا نہ ہو سکا۔ مارکس جرمنی کا رہنے والا تھا لیکن انقلاب روس میں آیا اور اس کی موت کے قریباً پچاس سال بعد لینن جیسی فعّال شخصیت کے ہاتھوں آیا اور وہ بھی اس لئے کہ روس کے داخلی معاملات اس حد تک بگڑ گئے تھے کہ وہ بالشویک انقلاب کے لئے سازگار ہو گئے تھے۔ میں اس بات کا پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ اکیس بائیس برس کے لگ بھگ اس مختصر سے عرصہ میں ایک عالم گیر انقلاب کی تکمیل جس میں انقلاب کے جملہ مراحل کی تکمیل دنیا کی تاریخ میں صرف ایک بار ہوئی اور وہ حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک سے ہوئی ہے۔

میں پھر اس بات کا اعادہ کر رہا ہوں کہ انقلاب کے میں نے جو مراحل بیان کئے ہیں تو اس کے استنباط کا میرا ذریعہ (Source) صرف اور صرف سیرتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔ میں بار بار اس کا اعادہ اس لئے کر رہا ہوں کہ چند لوگوں کو مغالطہ ہو جاتا ہے جب میں دوسروں کا حوالہ دیتا ہوں کہ شاید یہ بات میں نے ان سے سمجھی ہے۔ مجھے دنیا کے دوسرے انقلابوں میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں تو صرف توثیق (Confirmation)

کے طور پہ ۔ اور مجھے یقین ہے کہ دنیا نے وہ چیزیں لی ہیں تو جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ سے لی ہیں ۔ بقول علامہ اقبالؒ ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بُو   آنکہ از خاکش بروید آرزو!
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہاست !!   یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

نبی اکرمؐ کے سعید و مبارک دور کے بعد دنیا نے جو کچھ سیکھا ہے وہ حضورؐ سے ہی سیکھا ہے ۔ یا انسان ٹھوکریں کھا کھا کر چار و ناچار اسی منزل کی طرف پیشقدمی کر رہا ہے کہ جس منزل پر پہونچایا تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ـــــ لہٰذا میں پھر ایک بار عرض کر رہا ہوں کہ انقلابی عمل کے مراحل کے استنباط کے لئے میرا ماخذ صرف اور صرف سیرت النبی ہے ۔ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ۔

میری آج کی گفتگو کا پہلا مرحلہ تو مکمل ہوا ۔ اب سیرت النبیؐ کا جائزہ لینا شروع کیجئے کہ کس ترتیب سے یہ چھ قدم وہاں اٹھائے گئے ۔ پہلا قدم ہوتا ہے ایک انقلابی نظریہ، فکر اور فلسفہ سے متعلق ۔ انقلابِ محمدیؐ اور دوسرے انقلابات کے مابین اس اعتبار سے فرق کیا ہے ۔؟ یہ کہ دنیا کے دونوں مشہور و معروف انقلابات کے لئے نظریہ، فکر اور فلسفہ انسانی ذہنوں کی پیداوار تھا ۔ جبکہ جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نظریہ، فکر اور فلسفہ وحی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ۔ پہلا عظیم ترین فرق تو یہ نوٹ کیجئے ۔ پھر یہ بات ذہن نشین کیجئے کہ یہ نظریہ ہے 'توحید' ۔ کامل ترین اور خالص ترین توحید ۔ اور جس کی بنیاد ہے قرآنِ حکیم ۔ اس قرآن کے ذریعہ سے یہ انقلابی نظریہ لوگوں کے سامنے آنا شروع ہوا ۔ اس حقیقت کو نہایت سادہ اور سلیس الفاظ میں بیان کیا مولانا حالی نے ؎

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

اور ؎ وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی   عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی   اِک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

اور نہایت پرشکوہ الفاظ میں بیان کیا علامہ اقبال نے ؎

مصطفیٰ اندر حرا خلوت گزیں ۔ قوم و آئین و حکومت آفریں

اور

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم ۔ حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است ۔ ایں کتابے نیست چیزے دیگر است

مثلِ حق پنہاں و ہم پیداست اُو ۔ زندہ و پائندہ و گویاست اُو

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود ۔ جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

انقلابی نظریہ توحید ۔ قرآن اس کی بنیاد ـــــ دعوت قرآن کی ۔ تبلیغ قرآن کی ۔ انذار قرآن سے ۔ تبشیر قرآن سے ۔ تذکیر قرآن سے ۔ حتیٰ کہ تزکیہ یعنی تربیت بھی قرآن سے ۔ اس پر آگے انشاء اللہ قدرے تفصیلی گفتگو ہوگی ۔ حاصل کلام یہ کہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مرکز و محور اور منبع و سرچشمہ ہے قرآن مجید، فرقانِ حمید !!

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے ـــــ یہ بہت اہم نکتہ ہے جسے لوگ سمجھ نہیں پاتے ـــــ وہ یہ کہ حضورؐ کی دعوت کو جہاں تک 'نظریہ' کہا جائے گا تو اس انقلابی نظریہ کے تین حصے شمار کئے جائیں گے : توحیدؔ ۔ رسالتؐ اور معادؔ یا آخرت ـــــ ان میں سے جہاں تک نظام کا تعلق ہے وہ درحقیقت نظریہ توحید پر ایمان لانے سے ہے ۔ آخرت پر ایمان انسان کی سیرت و کردار کی تربیت اور صحیح تعمیر کی بنیاد بنتا ہے ۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اصل میں اسی تربیتی مراحل کی چیزیں ہیں ۔ اشخاص کی سیرت و کردار کو اس خاص سانچہ میں ڈھالنا کہ جس سانچہ کے ڈھلے ہوئے کارکنوں کے ذریعہ سے اسلامی انقلاب آسکے ۔ اس تربیت کا پروگرام ان چیزوں پر مشتمل ہے ۔ دل میں چھپے ہوئے امراض اور روگوں کا مداوا اور علاج بھی قرآن اور اس تربیتی پروگرام ہی سے ہوتا ہے جس کے لئے دینی اصطلاح تزکیہ ہے ۔ الغرض ایمان بالآخرت انسان کے جذبۂ عمل کو متحرک (Motivate) کرنے کا نہایت مؤثر عامل ہے ـــــ رسالت پر ایمان کا تعلق قانون سے ہے ۔ حضورؐ کو دل و جان سے رسول تسلیم کرنے اور آپؐ کی دی ہوئی تمام خبروں کی تصدیق کا نام ہی دراصل ایمان ہے ۔ ان کے بغیر ہم نہ توحید کو صحیح معنوں میں جان سکتے ہیں، نہ آخرت کو مان سکتے ہیں ۔ اور نہ ہی اعمالِ صالحہ اور افعال سیئہ کو صحیح طور پر پہچان سکتے ہیں ۔ یہی مطلب، مفہوم اور مقصود ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ مبارک کا :

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ

"تم میں سے کوئی شخص مؤمن ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس کی خواہشِ نفس اس ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جو میں لیکر آیا ہوں"[1]

میں نے ابھی عرض کیا کہ جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو انقلابی نظریہ دعوت لے کر تشریف لائے وہ درحقیقت توحید ہے۔ لہٰذا اس انقلابی فکر اور فلسفہ کے متضمنات (corollaries)، اس کے مضمرات، اس کے مقتضیات، اس کے بدیہی نتائج و عواقب کو سمجھنا ضروری ہے جس کے بغیر توحید کا مکمل اور توحید خالص کے انقلابی پہلو کا صحیح ادراک و شعور مشکل ہے۔ اس پہلو سے تین چیزیں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

سب سے پہلی چیز ہے حاکمیتِ انسانی کی کُلّی نفی۔ یہ سب سے بڑا، سب سے عظیم انقلابی نظریہ ہے۔ اس تک انسان کا اپنا ذہن رسائی کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا علم صرف وحی الٰہی کے ذریعے سے حاصل ہونا ہی ممکن ہے۔ اس بات کو پہلے بھی مشرکین نے مانا ہے اور آج بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی تکوینی حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ لیکن یہ بات کہ دنیا میں تشریعی حاکمیت مطلقہ بھی صرف اللہ کے لئے ہے: اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ اور اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ اور تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ۔ اور لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

تو اس نظریہ کو نہایت شدّ و مد اور محکم دلائل و براہین کے ساتھ قرآن مجید ہی نے پیش کیا ہے۔

اب یہی موضوع ایک مفصّل گفتگو کا متقاضی ہے لیکن میں اشارات ہی پر اکتفا کروں گا۔ اب آپ غور کیجئے کہ فرانس کے انقلاب نے کیا کیا تھا۔ صرف ایک ہی چیز میں تبدیلی کی تھی وہ یہ کہ حاکمیت کسی خاندان یا فرد کی نہیں ہے بلکہ عوام کی ہے۔ گویا

---

[1] ان امور کی تفہیم کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کی دو کتابوں، ایک "نبی اکرمؐ کا مقصدِ بعثت" اور دوسری "نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں" کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔

حاکمیت ایک خاندان یا فرد کے ہاتھ سے لے کر جمہور کو دے دی گئی ۔ صرف یہی تبدیلی تو رونما ہوئی اور تو کوئی نہیں ۔ اس انقلاب کا لبِ لباب یہی ہے کہ :

" حاکمیت (Sovereignty) کسی مخصوص فرد یا کسی شاہی خاندان کے ساتھ متعلق نہیں ہے ۔ بلکہ فی الحقیقت حاکمیت کا تعلق عوام کے ساتھ ہے۔

یہی نظریہ ہے جمہوریت کا ۔ سارا جھگڑا اسی کا ہے ۔ سارا فساد اسی کا ہے کہ حاکمیت کس کی ! اختیار کس کا !! قانون بنانے اور دینے کا مجاز کون !!! یہ ہے اصل میں سارے بس کی گانٹھ ۔ اور یہ انقلاب کہ حاکمیت کو افراد اور خاندانوں سے نکال کر عوام میں لے آنا تو اس کے لئے کتنا خون دینا پڑا ہے ۔ فرانس کا انقلاب بڑا ہی خونیں انقلاب تھا ۔ شیر کے منہ سے نوالہ نکالنا کوئی آسان کام ہے ! جن لوگوں نے یورپ کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ وہاں Divine Rights of Kings کا سکہ جاری تھا ۔ بادشاہوں کو تو خدائی اختیار حاصل ہیں انہیں کون چیلنج کر سکتا ہے ! دنیا میں عام طور پر بادشاہوں کے لئے یہی تصور دیا گیا جیسے ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان تھے اور مصر میں فرعون تھا ۔ راع یعنی سورج کو مصری بھی اپنا سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے ۔ تو ان خاندانوں کا تعلق نام نہاد دیوتاؤں اور دیویوں سے جوڑا گیا ۔ ان کو چھیڑا نہیں جا سکتا ۔ حکومت کرنا ان کا حق ہے ۔ اور ان کی بے چون وچرا اطاعت کرنا اور ان کو خراج ادا کرتے چلے جانا عوام کا فرض ہے ۔ یہ فلسفے مذہبی سطح پر چلائے گئے نام نہاد مذہب نے ہمیشہ اس تصور کو تحفظ دیا ہے ۔ چونکہ پنڈتوں ' پوپ ' پجاریوں ' پروہتوں پادریوں اور Priests کے مفادات اسی مشرکانہ تصور سے وابستہ رہتے تھے اور رہتے ہیں ۔ دیوی دیوتا کے نام سے جو بڑے مناور اور ہیکل تعمیر کئے جاتے تھے اور کئے جاتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم صدیقہ کے نام پر جو بڑے بڑے کلیسا گرجے اور چرچ بنائے جاتے تھے اور بنائے جاتے ہیں ان پر عوام الناس جو چڑھاوے چڑھاتے تھے اور چڑھاتے ہیں وہ کہاں جاتے تھے اور جاتے ہیں ! کیا ان بتوں اور مجسموں کے پیٹوں میں !! وہ سب ان لوگوں کے پیٹ میں جاتے تھے اور جاتے ہیں جن کے القاب پ سے شروع ہوتے ہیں اور جو میں نے ابھی آپ کو گنوائے ہیں ۔ آپ چاہیں تو ایک پ (پیر) کا اور اضافہ کر لیں جو ہمارے یہاں رائج ہے جن کی اکثریت نے اسے پیشہ بنا رکھا ہے اور اس نے

حاکمیت کے بجائے شفاعت باطلہ کا تصور جہلا کے ذہنوں بٹھا کر اولیاء اللہ کے مقابر کو آستانوں کا درجہ دے رکھا ہے اور اس طرح آمدنی کا ذریعہ پیدا کر رکھا ہے۔ بقول شاعر ؎

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج

بہرحال سارا جھگڑا حاکمیت کا ہے۔ حاکم و مختارِ مطلق کون ہے! اب آپ سوچئے کہ انسانی سطح پر حاکمیت کی تبدیلی ایک فرد یا ایک خاندان کی حاکمیت کے بجائے عوام کی حاکمیت لانے کے لئے کتنے پاپڑ بیلنے پڑے تو یہ کتنا بڑا انقلاب ہے جو برپا فرمایا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ جسے یوں تعبیر کیا علامہ اقبال نے کہ ؎

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب　　پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

یہ عظیم ترین انقلابی نظریہ ہے: اللہ کی حاکمیتِ مطلقہ ـــ اس کے سوا کوئی حاکم مطلق نہیں ہے۔ نہ کوئی فرد، نہ کوئی خاندان نہ کوئی قوم۔ نہ پوری نوعِ انسانی۔ انسان کے لئے حاکمیت کی نفیٔ مطلق ہے۔ انسان کے لئے تو خلافت ہے۔ اور وہ بھی عوامی خلافت ہے ـــــــ خلیفہ بھی آسمان سے مقرر نہیں ہوتا۔ میں اہلِ سنّت اور اہلِ تشیّع کا اساسی و بنیادی فرق و اختلاف گذشتہ تقریر میں وضاحت سے بیان کر چکا ہوں[1]۔ اہلِ تشیّع کے نزدیک امامت صرف ایک خاندان کا حق ہے اور ان کے نزدیک امام مامور من اللہ ہوتا ہے۔ لہٰذا مطاعِ مطلق بھی ہوتا ہے اور معصوم عن الخطاء بھی۔ ہمارا تصوّر و عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ مامور من اللہ اور معصومیّت خاصّۂ نبوّت و رسالت ہیں۔ جناب محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم پر نبوّت ختم ہوئی اور رسالت کی تکمیل ہوگئی۔ لہٰذا معصومیت بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہوگئی۔ کوئی خلیفہ یا امام مامور من اللہ نہیں ہے۔ کوئی معصوم نہیں ہے اور نہ تا قیام قیامت ہو سکتا ہے ـــ ہمارے عقیدہ کے مطابق خلافت ہے مسلمانوں کی۔ خلافتِ عامّہ ـــ عوام الناس اپنی رائے سے جس کو چاہیں خلیفہ چن لیں گویا کہ وہ اپنے حقِ خلافت کو تفویض (delegate) کر رہے ہیں ایک شخص کو کہ وہ ان کا سربراہ ہے۔ لہٰذا نوٹ کیجئے گا کہ حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے لئے اصطلاح استعمال کی تھی خلیفۃ رسول اللہ اور عام طور پر زبان زد ہوئی اصطلاح خلیفۃ المسلمین ـــ خلافتِ راشدہ درحقیقت تتمہ اور ضمیمہ تھی دورِ نبوّت کی ـــ

---

[1] یہ مفصّل تقریر دو اقساط میں 'میثاق' کے اپریل اور مئی ۸۵ء کے شماروں میں شائع ہو چکی ہے۔

وہ مشن جو حضورؐ کو دیا گیا تھا۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ۔ اس کی توسیع اور عالمی سطح پر اس کی تکمیل کے لئے دراصل یہ خلافت کا نظام قائم کیا گیا تھا کہ ایک ملک میں اللہ کے دین کو بنفسِ نفیس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب اور قائم فرما دیا اور پھر پورے کرۂ ارض پر اسے غالب کرنے کا کام حوالے فرما دیا اُمت کے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ مشن دے کر حضورؐ دنیا سے تشریف لے گئے۔ لہٰذا یہ خلافت علی منہاج النبوۃ تھی۔ اسی لیے صدیق اکبرؓ پہلے خلیفہ راشد نے اپنے لئے خلیفۃ رسول اللہ کا کا لفظ اختیار کیا۔ لیکن آئندہ مستقل طور پر اسلامی خلافت کا سربراہ خلیفۃ المسلمین یا امیرالمؤمنین کہلائے گا۔ یعنی اصل میں تمام مسلمان ہیں خلافت کے اہل اور حامل۔ وہ جب اپنی رائے سے کسی کو خلافت کی ذمہ داری تفویض کریں گے تو وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہوگا ——— یہ ہے سب سے پہلا انقلابی تصور۔ جس کا تعلق ہے سیاسی ڈھانچے سے۔

اسی توحید کے نظریہ کا بدیہی نتیجہ ہے جسے اس دور میں پوری طرح کھول کر بیان کرنے اور واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ انسان کی ملکیتِ مطلقہ کی نفی کامل ہے۔ جیسے کوئی حاکم مطلق نہیں ویسے ہی کوئی مالکِ مطلق نہیں۔ حاکمِ حقیقی بھی اللہ ہے اور مالکِ حقیقی بھی اللہ ہے ——— قرآن مجید میں جس طور پر مختلف اسالیب سے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کا اثبات فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ملکیتِ مطلقہ کا بھی مختلف اسالیب سے اثبات کیا گیا ہے۔ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ اور لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ اللہ کی اسی ملکیت مطلقہ کے اظہار کے لئے قرآن مجید میں متعدد بار آیا ہے۔ یہاں لِلّٰهِ اور لَهٗ میں حرفِ جار لام کے متعلق تمام مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ لام تملیک بھی ہے اور لام استحقاق بھی ——— پھر سورہ آلِ عمران میں: وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور سورہ منافقون میں: وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرما کر مسئلہ کو بالکل واضح اور منقح کر دیا کہ جس طرح حاکمِ حقیقی صرف اللہ ہے اسی طرح کائنات کی ہر شے کا مالکِ حقیقی بھی صرف اللہ ہے۔ شیخ سعدیؒ نے اس مفہوم کو بڑے دل نشین اسلوب سے ادا کیا ہے ؎

ایں امانت چند روزہ نزد ماست در حقیقت مالکِ ہر شے خدا است

اسی مفہوم کو علامہ اقبال یوں ادا کرتے ہیں ؎

بندۂ مومن امیں، حق مالک است غیرِ حق ہر شے کہ بینی ہالک است

حاصل کلام یہ ہوا کہ جیسے حاکمیت کے باب میں حاکمیت کے بجائے خلافت ہے ۔ ویسے ملکیت کے ضمن میں ملکیت کے بجائے امانت ہے جو کچھ انسان کے پاس ہے یا جو کچھ وہ جائز طریقہ سے حاصل کر رہا ہے ۔ اس حصول پر بھی قدغنیں ہوں گی ۔ ناجائز طریقہ سے حاصل کرے گا تو ضبط کر لیا جائے گا اور تادیب کا سزاوار ٹھہرے گا ۔ لیکن انسان جائز طریقہ سے جو کچھ حاصل کرے گا تو وہ اس کے پاس اللہ کی امانت ہے ۔ اس میں تصرف بھی صرف جائز طریقہ سے کیا جا سکے گا ۔ ناجائز طریقہ سے تصرف ہوگا تو تصرف کا اختیار بھی ساقط ہو جائیگا۔ ـــــ یہ بھی بہت بڑا انقلابی نظریہ ہے ۔ ایک وہ تصور ہے کہ ذاتی ملکیت کا حق بڑا مقدس ہے ۔ میری شے ہے ۔ میں جس طرح چاہوں استعمال کروں ۔ میرا اختیار مطلق ہے ۔ میں جو چاہوں کروں ۔ ملکیت کا مطلب تو یہی ہے ۔ میری بکری ہے ۔ میں جب چاہوں ذبح کر دوں ۔ تم کون پوچھنے والے! میرا پیسہ ہے، میں جس طرح چاہوں اسے invest کروں ۔ میں نے شراب خانہ کھولا ہے میں نے کسی کو مجبور نہیں کیا جو آ کر پینا چاہے پیئے ۔ نہ پینا چاہے نہ پیئے ۔ میں نے کسی پر جبر نہیں کیا ۔ میں بھی آزاد ہوں، وہ بھی آزاد ہے ۔ میں نے قمار خانہ، قحبہ خانہ، نائٹ کلب اور اسی قبیل کے کاموں میں اپنا سرمایہ لگایا ہے ۔ کوئی ان میں دلچسپی لے یا نہ لے ۔ میں کسی کو مجبور نہیں کرتا ۔ یہ تصور اسلام میں نہیں ہے ۔ اسلام میں امانت کا تصور ہے جس کی امانت ہے، اس نے جس حد تک اور جن پابندیوں کے ساتھ تصرف کا حق دیا ہے، اس حد تک تصرف کر سکتے ہو ۔ اس سے تجاوز کرو گے تو مجرم شمار ہو گے ۔ غور کیجئے کہ معاشی سطح پر یہ کتنا عظیم انقلاب ہے ۔ مجھے علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آ رہے ہیں ؎

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

اس عقیدہ توحید کا جو تیسرا انقلابی پہلو ہے اس پر گفتگو سے قبل چند اہم باتوں کی وضاحت ضروری ہے ۔ اس توحید کا ایک اعتقادی پہلو ہے ۔ کسی کی عبادت اور پرستش نہ ہو سوائے اللہ کے : لَا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاہُ ۔ کسی کو رکوع و سجدہ نہ کیا جائے سوائے اللہ کے ۔ کسی سے دعا نہ کی جائے سوائے اللہ کے : لَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا ۝ اس کا کوئی ند، اس کی کوئی ضد، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے ۔ اس کا کوئی کفو، اس کا کوئی ہمسر نہیں : فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰہِ اَنْدَادًا ـــــ اور قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَکُنْ

لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ۝ اس کے سوا کوئی حاجت روا، دستگیر اور پشت پناہ نہیں ہے اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۝ نذر و نیاز، قربانی الغرض کوئی بھی تعبدی عمل اس کے سوا کسی اور کے لئے نہیں ہے: اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ یہ تمام امور یقیناً عقیدہ توحید کے مظاہر اور اس کے لوازم ہیں ـــــ ان میں ذرا سی اونچ نیچ اور کمی بیشی ہوئی تو توحید ختم ہوئی اور شرک لازم ہو گیا۔ پھر تو معاملہ وہ ہو جائے گا جس کی طرف سورہ یوسف کی اس آیت مبارکہ میں توجہ دلائی گئی ہے: وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ۝ ـــــ میں اس وقت عقیدہ توحید کے انقلابی پہلوؤں کو بیان کر رہا ہوں ۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ معاذ اللہ توحید صرف یہ ہے ۔ توحید کا پوری انسانی زندگی پر محیط ہونا ایمان کا لازمی تقاضا ہے ـــ توحید کی چھاپ تو پوری زندگی پر ہونی لابدمنہ ہے ـــ لیکن اس وقت کی اور اس دور کی شدید ضرورت ہے کہ عقیدہ توحید نے اجتماعی زندگی کے ان تین گوشوں یعنی معاشرتی، معاشی اور سیاسی گوشوں میں جو عظیم انقلاب برپا کیا ہے اسے نہایت وسیع پیمانے پر محکم دلائل کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے ۔ اسی کے ذریعہ سے موجودہ باطل اور مادّہ پرستانہ تمام نظریات اور نظام ہائے زندگی کا ابطال اور اسلام کی حقانیت کا احقاق ہو سکے گا۔ سیاسیات کے شعبہ میں توحید کا انقلابی تصوّر یہ ہے کہ ہر نوع کی حاکمیّتِ انسانی کا خاتمہ۔ حاکمیّتِ مطلقہ صرف اللہ کی ہے۔ سیاسی سطح پر انسان کے لئے اسلام نے خلافت کا اصول دیا ہے معاشیات اور اقتصادی شعبہ میں توحید کا انقلابی تصوّر یہ ہے کہ انسان کی ملکیتِ مطلقہ کا خاتمہ۔ ملکیتِ مطلقہ صرف اللہ کی ہے ۔ اس سطح پر ہمارا دین امانت کا تصوّر دیتا ہے ـــــ ان دونوں امور پر میں گفتگو کر چکا ہوں وہ بھی اختصار کے ساتھ ۔ چونکہ وقت کی محدودیت کی وجہ سے تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں ہے ۔ اور تیسرے شعبہ یعنی معاشرتی سطح پر عقیدۂ توحید کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تمام انسان برابر ہیں ۔ اب اس کے متعلق مجھے اختصار سے کچھ روشنی ڈالنی ہے ۔

انسانی تاریخ کا یہ المیہ رہا ہے کہ جہاں ایک طبقہ خدائی اختیار (Divine Right) کا مدعی رہا ہے اور جہاں انسان ملکیتِ مطلقہ کی ضلالت میں مبتلا رہا ہے وہاں وہ اس گمراہی میں بھی ٹھوکریں کھاتا رہا ہے کہ انسانوں میں ذات پات اور اونچ نیچ کی تقسیم ہے ۔ جبکہ توحید کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے تمام انسان برابر ہیں ۔ کوئی اونچ

نہیں، کوئی نیچ نہیں، کوئی اعلیٰ نہیں، کوئی ادنیٰ نہیں۔ یہ برہمن اور شودر کی تقسیم، یہ رنگ و نسل پر افتخار انسان کے اپنے ذہن کے تراشے ہوئے فلسفے ہیں ــــــ یہ انسان کے تنگ ذہن اور قلب کے تراشیدہ اصنام ہیں۔ معاشرتی سطح پر توحید کا انقلابی تصور یہ ہے۔
یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً "اے نوعِ انسانی بندگی اختیار کرو اس مالک اور پروردگار کی جس نے ایک جان سے تمہیں پیدا کیا۔ پھر اس ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا اور پھر اس جوڑے سے دنیا میں کثیر تعداد میں مرد و عورت کو پھیلا دیا۔" یعنی پوری نوعِ انسانی ایک ہی جوڑے کی اولاد ہے ــــــ بدقسمتی سے توحید کے ماننے والوں میں بھی مرورِ زمانہ اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اونچ نیچ کی تقسیم آگئی ہے۔ سیّد زادہ وہ چاہے واقعی سیّد زادہ ہو یا بنا ہوا سیّد ہو۔ وہ چاہے زانی اور شرابی ہو۔ اس کے گھٹنے کو احترام کے ساتھ ہاتھ لگایا جائے گا۔ یہی صورتِ حال یہی تقسیم وڈیروں، زمینداروں اور ان کے مزارعین اور پیروں اور ان کے مریدوں کے مابین دیکھنے میں آتی ہے۔ یہ سب کہاں سے آیا؟ ایک طرف نسل کی نفی اور دوسری طرف نسل پرستی کا یہ عالم! ــــ اگر کامل سماجی مساوات نہیں ہے تو کسی درجہ میں بھی وہ معاشرہ اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ ــــ

یوں تو سیّد بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو   تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟؟

یہ ساری تقسیمیں غلط ہی نہیں موجبِ فساد ہیں۔ کوئی اونچا اور کوئی نیچا نہیں اس لئے کہ سب کا خالق ایک اللہ ہے اور سب ایک انسانی جوڑے آدم اور حوا کی اولاد ہیں۔ تو کون اونچا اور کون نیچا! کون اعلیٰ اور کون ادنیٰ! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اعلانِ عام فرمادیا:

لیس لعربی علی عجمی فضل ولا لعجمی علی عربی فضل ولا لاسود علی ابیض فضل ولا لابیض علی اسود فضل الا بالتقوٰی	"نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی کالے کو گورے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی گورے کو کالے پر فضیلت ہے۔ بنائے فضیلت صرف تقوٰی ہے۔"

فضیلت اگر کوئی ہے تو وہ خدا ترسی اور اعلیٰ سیرت و کردار کی بنا پر ہے اور وہ معاملہ آخرت میں ہوگا۔ تمام انسان اس دنیا میں کامل سماجی مساوات رکھتے ہیں۔

غور کیجئے کہ اس سماجی و معاشرتی مساوات کا تعلق بھی توحید ہی سے ہے چونکہ تمام انسانوں کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ سب برابر ہو گئے۔ کوئی چھوٹا اللہ کسی کا پیدا کرنے والا ہوتا اور کوئی بڑا اللہ کسی اور کا پیدا کرنے والا ہوتا تو اونچ نیچ ہو جاتی۔ یا جیسے ہندوؤں میں تصور ہے کہ برہمن تو ایشور کے سر سے پیدا ہوا ہے اور شودر اس کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک ایشور ہی میں یہ تقسیم کر دی۔ توحید یہ ہے کہ ایک ہی اللہ سب کا پیدا کرنے والا ہے اور سب انسان ایک ہی انسانی جوڑے کی اولاد ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝

(سورہ الحجرات آیت نمبر ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہارے (جداجدا) خاندان، قبیلے (اور قومیں) بنائیں تو باہم شناخت اور تعارف کے لئے (نہ کہ فخر و تکبر کے لئے) بے شک تم میں سے عزت دار تو اللہ کے نزدیک وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا ترس اور پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور باخبر ہے"۔

اس وقت تک گفتگو کا نتیجہ اور حاصل یہ ہوا کہ اسلام کا انقلابی نظریہ ہے توحید۔ اس کی دعوت پر مشتمل ہے قرآن مجید۔ لہٰذا دعوت، تبلیغ، تذکیر، تبشیر، انذار اور تربیت و تزکیہ یہ سب کام ہوں گے بذریعہ قرآن ۔۔۔ ان تمام کاموں کے لئے انذارِ آخرت نہایت اہم ہے۔ لیکن یہ انذارِ آخرت دراصل انسان کی انفرادی اعلیٰ سیرت کی تعمیر کے لئے بنیادی پتھر ہے۔ جس پر ایک بندۂ مومن کا کردار اور سیرت آگے بڑھے گی۔ آخرت پر یقین، محاسبہ پر یقین، جزا و سزا پر یقین۔ اس کے بغیر اس سیرت کی تعمیر محال ہے جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اس تعمیرِ سیرت کے پروگرام کی تقویت کے لئے ذرائع کے طور پر نماز ہے، روزہ ہے، حج اور زکوٰۃ ہے۔ دوامِ ذکرِ الٰہی ہے وغیرہ وغیرہ ۔۔۔ یہ تمام چیزیں درحقیقت انسان کی انفرادی سیرت و کردار کی تعمیر کے لئے ہیں ۔۔۔ انقلاب کے اعتبار سے جیسا کہ میں قدرے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں انقلابی نظریہ عقیدۂ توحید

کی یہ تین Colloraies یعنی تین لوازم اور نتائج ہیں۔ نمبر ایک: معاشرتی و سماجی کامل مساوات۔ دوسرے: معاشی سطح پر ملکیتِ مطلقہ کے تصوّر کا خاتمہ اور اس کے بجائے امانت کا تصوّر اور تیسرے: سیاسی سطح پر جو اہم ترین ہے۔ حاکمیتِ مطلقہ نہ کسی ایک فرد کی ہے، نہ کسی مخصوص خاندان کی ہے، نہ قوم کی ہے، نہ عوام کی ہے اور نہ پوری نوعِ انسانی کی ہے۔

It belongs to Allah and Allah alone.

سروری زیبا فقط اس ذاتِ بے ہمتا کو ہے حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

پس اسلامی انقلاب کے لئے اصل میں ان چیزوں کو Emphasize کرنا ہوگا۔ ان کی اہمیت کو واضح، نمایاں اور اجاگر کرنا ہوگا۔ ان کو نظر انداز کرکے زور ہو جائے نماز اور روزے وغیرہ پر تو درحقیقت انقلابی عمل کا آغاز نہیں ہوگا۔ کچھ مذہبی اور اخلاقی اصلاح کا کام ہو جائے گا۔ کچھ لوگ اچھے مسلمان بن جائیں گے۔ یہ اور ایسے دوسرے کچھ اچھے کام ہو جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن انقلابی عمل کا آغاز ہی نہیں ہوگا۔

اب اگلی بات لیجئے وہ ہے تنظیم ـــــ منظم کرو، مربوط کرو ـــ اس کے لئے قرآن مجید کی تین اصطلاحات خاص طور پر اپنے ذہن میں رکھئے۔ پہلی بات ہے: بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ۔ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ـــ جب تک یہ کیفیت نہ ہو تنظیم وجود میں نہیں آسکتی۔ اس کے لئے بنیاد کیا ہے! سمع وطاعت، سنو اور اطاعت کرو: وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا (Listen and obey) ـ یہ دوسری بات ہوئی۔ اب اس میں تیسرا عنصر شامل کریں تو وہ ہے اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔ جو لوگ ہمسفر ہیں، ساتھی ہیں، ان کے لئے نہایت مہربان، نہایت نرم، نہایت ہمدرد و دمساز۔ لیکن کفار جو مقابل ہیں ان کے لئے نہایت سخت محسوس ہو جائے کہ ان کے اندر کسی قسم کی لچک کا امکان نہیں Uncompromising۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

تنظیمی اعتبار سے جب تک ایک ایسی مضبوط جماعت موجود نہ ہو انقلاب کا عمل شروع نہیں ہوسکے گا ـــــ ایسی جماعت کے وجود میں آنے کی اساسات کیا ہیں! اس ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ میں ہمیں دو چیزیں نظر آتی ہیں ـــ اصل بنیاد تو یہ ہے کہ حضورؐ نے دعویٰ کیا کہ میں نبی ہوں رسول ہوں: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ جس نے مان لیا اور جو ایمان لے آیا گویا وہ ہمہ تن، ہمہ وجود مطیع ہو گیا۔ یہ اتنی منطقی بات ہے کہ جب

تسلیم کرلیا کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں اور ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾۔ تو اس کے بعد کسی مسلمان کا کچھ کہنے اور حضورؐ کے فرمان اور رائے کے مقابلہ میں اپنی رائے دینے کا حق باقی کب رہ گیا ___! البتہ انتظامی امور کے متعلق صحابہ کرامؓ بڑے ادب و احترام کے ساتھ دریافت کرلیا کرتے تھے کہ آپؐ نے یہ جو تدبیر فرمائی ہے تو یہ آپؐ کا ذاتی اجتہاد ہے یا بذریعہ وحی اللہ کے حکم سے فرمائی ہے! اگر حضورؐ نے فرمایا کہ یہ فعل وحی کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ ذاتی اجتہاد پر مبنی ہے ۔ تب اپنی رائے دینے کی جرأت کرتے تھے کہ حضورؐ پھر اپنے تجربے اور فہم کی بنیاد پر ہم عرض کریں گے کہ فلاں معاملے کی تدبیر اس طرح کی جائے تو مناسب ہوگا ___ اس کی متعدد مثالیں سیرتِ مطہرہ میں موجود ہیں ___ مثلاً غزوۂ بدر کے لئے حضورؐ نے مسلمانوں کے کیمپ کے لئے جو مقام متعین فرمایا تھا تو صحابہؓ نے بڑی لجاجت سے عرض تھا کہ حضورؐ اگر وحی کی بنیاد پر یہ انتخاب ہے تو سرِ تسلیم خم ہے ۔ لیکن اگر یہ اجتہاد کا معاملہ ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ جگہ جنگ کی حکمتِ عملی (War Strategy) کے اعتبار سے یہ جگہ مناسب نہیں ہے بلکہ فلاں جگہ مناسب ہے ۔ تو حضورؐ نے وہاں کیمپ لگوا دیا ___ یہی معاملہ غزوۂ احزاب کے موقع پر ہوا تھا ۔ اس موقع پر تین اطراف سے مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی پر کفار نے یورش کی تھی ۔ جنوب سے قریش آگئے ، شمال سے یہودی آگئے ۔ اور مشرق سے بنو غطفان کے قبائل آگئے ۔ حضورؐ کو بڑا دکھ تھا کہ میری وجہ سے آج مدینہ کی بستی گھیراؤ میں آرہی ہے ۔ انہوں نے مجھے اور میرے صحابہؓ کو اپنے یہاں پناہ دی اور میرا ساتھ دیا جس کی وجہ سے ان پر یہ قیامت ٹوٹ پڑنے والی ہے ۔ تو انصارؓ پر نرمی کے خیال سے حضورؐ نے یہ تجویز پیش فرمائی کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو بنو غطفان کے ساتھ ہم یہ معاملہ کرلیں کہ مدینہ کی پیداوار کا کوئی حصہ ان کو بطور خراج دینے کی پیش کش کریں اور وہ اگر واپس چلے جائیں تو ہم پھر ان دو دشمنوں سے نمٹ لیں گے ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے انصارؓ کے حوصلہ کی پختگی (Morale) کا جائزہ لینے کے لئے یہ بات بطور تجویز پیش فرمائی ہو ۔ واللہ اعلم ! تو انصارؓ نے عرض کیا حضورؐ ! اگر یہ تجویز وحی کی بنیاد پر ہے تو سرِ تسلیم خم ہے ۔ لیکن ایسا نہیں ہے تو ہم عرض کریں گے کہ یہ قبائل ہم سے کبھی جاہلیت میں بھی خراج نہ لے سکے ۔ آج ہم اسلام میں آکر ان کو خراج دیں ! ایسا نہیں ہوسکتا ___ حضورؐ نے شاباش دی ___ تو یہ بات جان لیجئے کہ نبی کے ساتھ تعلق یہ ہوتا ہے کہ جہاں حکم آجائے اور ساتھ

ساتھ یہ صراحت ہو کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے بعد سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا چارہ نہیں ۔ لیکن اگر کسی معاملہ میں مشورہ کی گنجائش ہو تو مشورہ دو : وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ " اے نبی آپ ان سے مشورہ کرتے رہا کریں " ۔ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ " لیکن جب آپ فیصلہ کر لیں تو پھر اللہ پر توکل کریں " ۔ وہاں گنتی کی بنیاد پر کبھی فیصلے نہیں ہوئے کئی بار ایسا ہوا ہے کہ حضورؐ نے اپنی ذاتی رائے کے مقابلے میں صحابہ کرامؓ کی رائے قبول فرمائی ۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ رسول اور امتی کا تعلق ہی وہ ہے کہ اس سے زیادہ مضبوط اور Disciplined جماعت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے ۔

لیکن اب میں جو بات عرض کرنے والا ہوں اس پر اپنی توجہ کو مرتکز فرمائیے، بہت اہم نکتہ ہے ۔ اگر یہ کام صرف حضورؐ کے دستِ مبارک سے ہونا ہوتا تو تنظیم کے لئے کسی دوسرے بنیاد اور اساس کو واضح کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی ۔ لیکن اگر یہ ایک جاری و ساری عمل ہے اسے آگے بھی چلنا ہے ۔ جیسے اس وقت ہمارے سامنے مسئلہ ہے کہ اگر تعالیٰ ہمیں یہ ارادہ عطا فرمادے کہ ہمیں خالص اسی نہج پر انقلاب برپا کرنا ہے جس پر حضورؐ نے برپا فرمایا تھا ۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد نبی تو کوئی نہیں تو پھر کس بنیاد پر لوگ جڑ کر ایک تنظیم بنیں گے ! وہ تعلق کس اساس پر قائم ہوگا ! وہ کوئی جمہوری تنظیم ہوگی ! دستوری تنظیم ہوگی ! گنتی کی اساس پر فیصلے ہوا کریں گے !! کیا ہوگا ! اس کے لئے حضورؐ نے رہنمائی ہمیشہ ہمیش کے لئے چھوڑی ہے اس طریق کار کو اختیار فرما کر جسے ہم لفظ بیعت کے نام سے جانتے ہیں ـــــ اللہ کا کوئی بندہ کھڑا ہو ـــــ وہ نبی نہیں ہوگا ، وہ رسول نہیں ہوگا ۔ لیکن وہ اللہ کی توفیق سے کھڑا ہو اور پکارے کہ میں اسلامی انقلاب کی طرف پیشقدمی کرنا چاہتا ہوں ۔ کون ہے جو میرا ساتھ دے ! : مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ـــــ لوگ اسے ٹھوک بجا کر دیکھیں ۔ جائزہ لیں ۔ اس کی سیرت و کردار کو پرکھیں ۔ اس کی پوری تاریخ کو دیکھیں ۔ اپنی حد تک اطمینان کی کوشش کریں کہ یہ شخص بہروپیا تو نہیں ۔ واقعتہً کوئی کام کرنا چاہتا ہے ۔ اور اس کی زندگی میں کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے جو متضاد اور متناقض ہو اس کام سے جس کا بیڑا اٹھا کر یہ کھڑا ہوا ہے ـــ فی الجملہ اس کے فکر اور اس کے خلوص پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔ لہٰذا اس صورت میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دیں ـــ یہ ہے بیعتِ سمع و طاعت ۔ جس کے لئے جنابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیلی ہدایات چھوڑی ہیں ۔ حضورؐ نے کئی بیعتیں لی تھیں ۔ دو کا تو میں نے آج ذکر کیا ہے

بیعتِ عقبۂ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ ـــ ایک بیعت وہ ہے جس کی ابدالآباد تک تلاوت ہوتی رہے گی۔ وہ ہے بیعتِ رضوان : لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ـــ آپ حضرات مجھے بتائیے کہ وہ چودہ سو اصحابؓ رسولؐ جو مدینہ منوّرہ سے چل کر حدیبیہ تک گئے تھے، اگر حضورؐ جنگ کا فیصلہ فرماتے تو کیا ان میں سے کوئی بھی پیچھے ہٹ جاتا ـــ پھر بیعت حضورؐ نے کیوں لی! اس مسئلہ پر میں نے بہت غور کیا ہے اور میری پختہ رائے یہ بنی ہے کہ اصل میں یہ بعد والوں کے لئے سنّت اور اسوہ ہے جو نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے چھوڑا ہے۔

پس یہ بنیاد ہے تنظیم کی۔ اور اس تنظیم میں جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، ہر قسم کے نسلی اور قبائلی امتیازات کا نام و نشان مٹ جاتا ہے۔ اب یہ نہیں ہے کہ کوئی قریشی ہے تو اس کا اونچا مقام ہے اور اگر کوئی حبشی ہے تو اس کا نیچا مقام ہے۔ یہ تقسیم ہے تو یہ جاہلیت کی تقسیم ہے۔ یہ اسلام کی تقسیم نہیں ہے ـــ وہاں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔ اس کا ایک واقعہ میں آپ کو سنا دوں ـــ سہیل ابن عمرؓ کون تھے! ذرا نوٹ کیجئے۔ یہ وہ صاحب ہیں کہ جو حدیبیہ میں قریش کے نمائندے کی حیثیت سے صلح کی شرائط طے کرنے آئے تھے ـــ تو ان کا قریش میں کتنا اونچا مقام ہوگا کہ وہ صلح کی شرائط کی Negotiation (گفت وشنید) کے لئے قریش کی طرف سے بااختیار نمائندہ بن کر آئے تھے۔ ذہانت کتنی ہے! اس کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ جب نبی اکرمؐ نے صلحنامہ تحریر کرانا شروع کیا کہ "یہ معاہدہ ہے محمد رسول اللہ اور قریش کے مابین" تو انہوں نے فوراً اعتراض کر دیا کہ "نہیں یہاں محمد رسول اللہ کے الفاظ نہیں آئیں گے"۔ اس لئے کہ اگر حضورؐ کو "رسول اللہ" مان لیں تو سارا جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے۔ نیچے تو دستخط دونوں فریقوں کے ہونے تھے۔ سہیل ابن عمر نے کہا کہ "یہ لکھا جائے گا کہ یہ معاہدہ ہے محمد ابن عبد اللہ اور قریش کے مابین" ـــ حضورؐ مسکرائے کہ کوئی مانے نہ مانے آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ لیکن آپؐ نے اس اعتراض کو تسلیم فرما لیا۔ یہ ہیں سہیل ابن عمر۔ فتح مکّہ کے بعد وہ بھی ایمان لے آئے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کا ایک واقعہ ہے کہ قریش کے یہ چوٹی کے فرد سہیل ابن عمرؓ فاروقِ اعظمؓ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ آنجنابؓ نے ان کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ ان کے بعد چند اور اصحابؓ آ گئے جو سابقون الاوّلون میں سے تھے یا اصحابِ بدر و احد میں سے تھے یا بیعتِ رضوان یعنی اصحاب شجرہ میں سے تھے

تو آپؐ نے حضرت سہیلؓ کو کچھ پیچھے جانے کے لئے فرمایا اور ان حضراتؓ کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔ پھر چند اور اصحاب آگئے، ان کو اور پیچھے ہٹایا اور اُن کو قریب بٹھایا۔ لوگ آتے رہے اور حضرت عمرؓ ان سہیلؓ کو پیچھے ہٹاتے رہے۔ ہوتے ہوتے سہیلؓ جوتیوں تک پہنچ گئے تب ان کی قرشیت کی جو حمیت تھی وہ ذرا جاگی۔ انہوں نے شکوہ کیا کہ کیا آپؐ کی مجلس میں ہمارا مقام یہ جوتیوں والا رہ گیا ہے! حضرت عمرؓ نے زبان سے کوئی جواب نہیں دیا۔ اشارہ کر دیا۔ "وہ سرحدوں پہ کفار سے جنگیں ہو رہی ہیں ـــــ تم نے وہ تمام مواقع کھو دیئے جو اسلام میں آگے آنے کے مواقع تھے۔ اب بھی موقع ہے۔ وہاں سرحدوں پہ جاؤ اور اسلام کے لئے قربانیاں دو، سرفروشیاں کرو تب تو شاید تمہیں یہ مقام حاصل ہو جائے ـــ لیکن نسل اور قبائلی بنیاد پر جو مقامات تھے، وہ ختم ہو چکے" ـــــ یہ اگر نہ ہو تو وہ انقلابی جماعت نہیں ہے ـــ

یہی وجہ ہے کہ بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا بن گئے! عمر فاروقؓ انہیں ہمیشہ "سیدنا بلال، ہمارے آقا بلال کہا کرتے تھے ـــ عمرؓ! ـــ اور وہ حضورؐ کے سوا کسی اور کو "سیدنا" کہہ دیں! انؓ کا مزاج، انؓ کا مقام، انؓ کی اپنی شخصیت کا ایک رنگ! ـــ ہر شخص کی اپنی افتادِ طبع ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ کی اپنی طبیعت کا ایک خاص انداز تھا۔ لیکن وہ عمرؓ، بلالؓ کا نام نہیں لیتے تھے "سیدنا" کے بغیر۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لئے بھی کہا کرتے تھے کہ "ابوبکر سیدنا واعتق سیدنا" ابوبکرؓ خود بھی ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار (بلالؓ) کو آزاد کیا تھا ـــ اب یہ فرق و تفاوت رونما ہو چکا ہے۔ کہاں وہ حبشی! وہ آزاد کردہ غلام! عرب کے اس معاشرے میں غلام آزاد ہو کر بھی نیم غلام تو رہتا ہی تھا۔ اسے مولا کہا جاتا تھا اور اسے آزاد مسلمان کی طرح معاشرے میں برابری کا مقام پھر بھی حاصل نہیں ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس کو ختم کرنے کے لئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عملی سبق دیا تھا کہ جنگ موتہ میں کس کو لشکر کی کمان سپرد فرمائی! زیدؓ بن حارثہ کو ـــ کون ہیں یہ زیدؓ ابن حارثہ! آزاد کردہ غلام ـــ اور ان کی کمان کے تحت کون کون ہیں۔ جعفر طیارؓ حضرت علیؓ کے بھائی ـــ اور کون ہیں خالدؓ ابنِ ولید۔ عبداللہؓ ابن رواحہ اور نہ معلوم کیسے کیسے جلیل القدر اصحابِ رسولؐ ـــــ پھر عین مرضِ وفات میں جو لشکر شام کی سرحدوں کی طرف بھیجنے کے لئے تیار فرمایا تھا۔ اس کی کمان کسے سونپی تھی! انہی زیدؓ کے بیٹے اسامہ

کو۔ جن کی عمر بھی اس وقت تیئس چوبیس کی ہوگی اور اکابر صحابہ کرامؓ جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے زیر کمان تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیوں کیا! اس لئے کہ پچھلے نسلی اور قبائلی افتخار کے اگر بت ابھی ذہنوں میں بیٹھے ہوئے ہوں تو وہ سب پاش پاش ہو جائیں۔ یہ بالکل نیا نظام ہے جو قائم ہوا۔ یہ تھے اس انقلابی پارٹی کے لئے نئے Cadres اور نئی درجہ بندی۔

پھر اس انقلابی جماعت میں سمع وطاعت کا معاملہ کس نوعیت کا تھا! اس کے لئے دو واقعات میں آپ کو سنا دیتا ہوں۔ آج کی گفتگو یہیں پر ختم ہو جائے گی ـــــ پورے مکی دور میں تمام صحابہ کرامؓ کے لئے حکم یہ رہا کہ چاہے تمہیں کتنا ہی ماریں، کتنی ہی ایذائیں دیں، حتیٰ کہ تمہیں ہلاک کر دیں، تم ہاتھ نہ اٹھاؤ۔ اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے ـــ اور تاریخ میں اس کی شہادت موجود نہیں ہے کہ کسی نے حضورؐ کے اس حکم کی خلاف ورزی کی ہو ـــــ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ جو بدنصیب لوگ سنّت کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں، ان کے لئے خاص طور پر نوٹ کرنے کی بات ہے کہ مکی دور میں صحابہ کرامؓ کس حکم پر اس شدّت اور سختی سے عمل پیرا تھے! وہ حکم تھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ـــ قرآن حکیم میں تو کہیں جا کر ۵ھ یا ۶ھ میں سورہ نساء میں یہ الفاظ آئے ہیں: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ۔" اے نبی! آپؐ نے ان لوگوں کا حال دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو"۔ لیکن پورے مکی قرآن میں یہ حکم موجود نہیں ہے ـــ دراصل یہ حکم اللہ کا نہیں تھا بلکہ محمد رسول اللہ کا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ اللہ نے تو سورہ نساء کے اندر اس کی توثیق فرمائی ہے۔ سورہ نساء کی اس آیت سے ہمارے سامنے اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ اے مسلمانو! ایک دور وہ تھا کہ جب حکم یہ تھا کہ ہاتھ بندھے رکھو، اس وقت تو تم کہا کرتے تھے کہ ہمیں جنگ کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اور آج جنگ کا حکم دے دیا گیا ہے تو گھبرا رہے ہو۔ یہ بات ہے سورۂ نساء کی آیت ۷۷ کی جس میں وہ الفاظ آئے: كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ۔ ورنہ پوری مکی سورتوں میں کہیں یہ الفاظ نہیں ہیں ـــ دراصل وہ حکم تھا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یا یوں کہئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم حضورؐ کو وحی خفی کے ذریعے سے دیا۔ وحی جلی میں یہ حکم بہرحال موجود نہیں ہے ـــــ ایک تو کسی جماعت کا اس درجہ منظم ہونے اور اپنے رہنما

قائد اور لیڈر کے حکم کی پابندی کی ایسی مثال پوری انسانی تاریخ میں آپ کو نہیں ملے گی۔

دوسری اس کے برعکس مثال ہے۔ ایک موقع پر نظم کی عدم پابندی اور حکم عدولی ہوئی۔ وہاں ڈسپلن توڑا گیا۔ پھر اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سزا دی گئی ہے اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس ڈسپلن کا کیا مقام ہے جو مطلوب ہے ـــــ غزوۂ احد میں کیا ہوا تھا! اللہ کا وعدہ تھا کہ مدد ہوگی اور واقعۃً نصرتِ الٰہی آئی۔ پہلے ہی مقابلے کے اندر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور مسلمانوں نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ لیکن اب وہ پچاس تیر انداز جو حضورؐ کی طرف سے جبل احد کے ایک درّے پر معیّن کئے گئے تھے اور جنہیں حضورؐ نے حکم دیا تھا کہ "چاہے ہم سب کے سب شہید ہو جائیں۔ کوئی نہ بچے اور تم دیکھو کہ ہمارے جسموں سے ہمارے گوشت کو نوچ نوچ کر پرندے کھا رہے ہیں تب بھی یہاں سے ہٹنا نہ" ـــــ حکم کی گیرائی کی کوئی انتہا ہے! پچاس تیر انداز تھے جن کے کمانڈر حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ہوا کیا؟ اس واقعہ کو بیان کرتے وقت میں کہا کرتا ہوں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت کو سامنے رکھ کر صورتِ واقعہ کو سمجھئے۔ اصل میں اس موقع پر درّے پر معیّن ان صحابہ کرامؓ کی اکثریت سے اجتہادی غلطی ہوئی ـــــ انہوں نے یہ سمجھا کہ حضورؐ کا حکم شکست کی صورت سے متعلق تھا ـــــ اب تو برعکس صورت سامنے ہے۔ فتح ہوگئی ہے۔ کفار میدانِ جنگ سے فرار ہو رہے ہیں۔ لہٰذا اب یہ جگہ چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمیں بھی میدان میں چلنا چاہیئے ـــــ لیکن ان کے کمانڈر حضرت جبیرؓ ان کو روکتے رہے کہ حضورؐ کے حکم کو سامنے رکھو۔ ہمیں کسی حال میں بھی حضورؐ کے حکم کے بغیر یہاں سے نہیں ہٹنا۔ لیکن پچاس میں سے پینتیس[۳۵] نے حکم عدولی کی ـــــ حضورؐ کے حکم کی جو نافرمانی ہوئی اس کے متعلق تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاویل ہوگئی کہ حضورؐ نے شکست کی صورت میں اس درّے کو چھوڑنے سے منع فرمایا تھا۔ فتح کی حالت کے لئے تو نہیں فرمایا تھا ـــــ لیکن اس دستہ کا جو کمانڈر ہے فیصلہ کا اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہے۔ فوج میں جو دستہ کا کمانڈر ہوتا ہے اس کی بات کو ماننا ڈسپلن کا عین تقاضا ہے بلکہ فرض ہے۔ دستہ کے سپاہیوں کو کسی حکم کی تاویل کرنے کا قطعی حق نہیں ہے۔ یہ حق صرف اس کمانڈر کا ہے۔ اس دستہ کے کمانڈر حضرت جبیرؓ تو اپنے دستہ کو روک رہے تھے۔ لہٰذا ان پینتیس[۳۵] نے اپنے کمانڈر کے حکم کی خلاف ورزی کی اور درہ چھوڑ کر میدان میں جا اترے ـــــ خالد ابن ولید جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور جنگ کی حکمت عملی کے ماہرین میں جن کا شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے جب اس درّے کو خالی دیکھا تو گھوڑ سواروں کے ایک دستہ کے ساتھ جبل احد کے

عقب کا چکر لگا کر درّے کے دوسرے سرے سے حملہ کر دیا۔ پندرہ صحابہؓ جو وہاں رک گئے تھے۔ جن میں حضرت جبیرؓ بھی شامل تھے سب کے سب شہید ہو گئے۔ خالد ابن ولید نے مسلمانوں پر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ فرار ہونے والے کفار نے بھی پلٹ کر ایک زور دار حملہ کیا۔ نتیجہ کے طور پر ان پینتیس صحابہؓ کی ڈسپلن کی خلاف ورزی کی وجہ سے فتح شکست سے بدل گئی ـــــ پینتیس مسلمانوں کی حکم عدولی کی سزا ستر صحابہ کرامؓ کی شہادت کی صورت میں سامنے آئی۔ حمزہؓ اسد اللہ واسد رسولہٖ ہزار افراد کے مقابلہ کا ایک فرد، مصعب ابن عمیرؓ جیسی جان نثار شخصیت جن کی تبلیغ دعوت کو اللہ نے یہ شرف قبولیت عطا فرمایا کہ یثرب دارالہجرت اور مدینۃ النبیؐ بن گیا۔ پھر ان کے علاوہ دوسرے جان نثار انصار و مہاجرین نے جامِ شہادت نوش کیا۔ کل ستر صحابہ کرامؓ شہید ہوئے ـــــ اور تو اور خود حضورؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے۔ خود کی کڑیاں رخسارِ مبارک میں گڑ گئیں آپؐ پر غشی طاری ہوئی ہے ـــــ مسلمانوں میں سراسیمگی پھیلی ہے۔ حضورؐ کی شہادت کی خبر اڑی ہے۔ بہت سے صحابہ دل گرفتہ اور مایوس ہو کر بیٹھ رہے ہیں، بھگدڑ بھی مچی ہے ـــــ وہ تو جب حضورؐ کی ذرا طبیعت سنبھلی اور آپؐ صحابہ کرامؓ کو لے کر جبلِ اُحد پر چڑھ گئے ـــــ اور لوگوں نے آپؐ کو زندہ سلامت دیکھ لیا تو پراگندہ جمعیت دامنِ کوہ میں جمع ہوئی ـــــ بہرحال شکست تو ہو گئی۔ اتنا بڑا چرکہ لگ گیا ـــــ بعد میں سورہ آلِ عمران میں اس صورتحال پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبصرہ نازل ہو گیا: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ ـــــ اے مسلمانو! اللہ کا وعدہ جھوٹا ثابت نہیں ہوا۔ اللہ نے تو اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا۔ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ۔ جب تم اس کی اجازت سے اپنے دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے ـــــ اللہ کا وعدہ غلط نہیں تھا۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ ـــــ لیکن جب تم ڈھیلے پڑے۔ تمہارا نظم ٹوٹا۔ تم نے جب وہ چیز دیکھی جو تمہیں محبوب ہے اور اس کے بعد تم نے حکم کی خلاف ورزی کی تب ہم نے یہ سزا دی۔ ـــــ یہاں 'تُحِبُّوْنَ' سے بعض مفسرین نے مالِ غنیمت کے بجائے سورہ صف کی آیت کے ان لفظ سے استشہاد کرتے ہوئے: وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ سے وہ فتح مراد لی ہے جو بالکل ابتدا ہی میں مسلمانوں کو حاصل ہوتی نظر آ رہی تھی۔ مجھے بھی یہی رائے اپیل کرتی ہے ـــــ البتہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی انقلاب کے لئے کیسی تنظیم مطلوب ہے! اور اس میں امیر کی اطاعت کی کیا اہمیت ہے۔

چاہے وہ یہاں افراد کے دستہ ہی پر امیر کیوں نہ بنا دیا گیا ہو!

بہرحال آج ہم نے ابتدائی تین مراحل میں سے دو مراحل کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ ابھی ہم یہ سارا معاملہ سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے ابتداء میں جو عنوانات مقرر کئے تھے یوں سمجھئے کہ ہم اس وقت تک ان میں سے دوسرے مرحلہ کے درمیان میں ہیں۔ میں نے پہلے سیرتِ مطہرہ اور دینی اصطلاحات سے علیحدہ کر کے مجرّد انقلابی عمل کے چھ مراحل بیان کئے تھے۔ بلکہ اس میں بین الاقوامی مرحلہ کو شامل کیجئے تو سات مراحل بیان ہوئے۔ اب میرا ارادہ ہے کہ ان شاء اللہ العزیز میں آئندہ اس خاکہ میں سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے واقعات کا رنگ بھر کر اسے پیش کروں تاکہ بات پوری طرح واضح ہو کر سامنے آجائے اور ذہنوں میں بیٹھتی چلی جائے اس کے بعد اس مسئلہ پر ہمیں غور کرنا ہوگا کہ آیا بعینہٖ اور جوں کا توں ہمیں یہی نقشہ اختیار کرنا ہے یا اس میں حالات کی دو تبدیلیوں کی وجہ سے ایک یہ کہ چودہ سو برس میں انسان کے تمدنی و عمرانی شعور میں جو ارتقا ہوا ہے اسے سامنے رکھنا ہے اور دوسرے یہ کہ ایک خالص کافرانہ ماحول میں کام کرنا ہوتا ہے اور ایک مسلمان کے معاشرے میں کام کرنا ہے تو ان کی وجہ سے ہمارے دور میں انقلابی عمل میں کیا کیا فرق و تفاوت وقوع پذیر ہوگا ان کو سامنے رکھ کر ان شاء اللہ آئندہ جمعہ سے گفتگو ہوگی۔

بَارَكَ اللّٰهُ لِیْ وَلَكُمْ فِی الْقُرْآنِ الْعَظِیْمِ وَنَفَعَنِیْ وَاِیَّاكُمْ
بِالْاٰیَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ۔

ضرورت رشتہ

قرآن اکیڈمی کے دو سالہ تدریسی کورس کے ایک نوجوان طالب علم (ایم۔ اے اسلامیات فسٹ ڈویژن) کے لیے پابند صوم وصلوٰۃ، باپردہ، خوش شکل، کم سے کم میٹرک دوشیزہ کا رشتہ مطلوب ہے۔ عمر چوبیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ تنظیم اسلامی سے وابستہ یا دلچسپی رکھنے والے خاندان رجوع کریں برائے رابطہ: پوسٹ بکس ۱۲۱ قرآن اکیڈمی 36-K ماڈل ٹاؤن لاہور۔

عَن انسؓ عَن النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم

قال

لَا یُؤمِنُ اَحَدُکُمْ

حتیٰ یحبّ لاخیہٖ ما یحبّ لنفسہٖ

(رواہ البخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا، تم میں سے ایک شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جیسے وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

رشید جیولری ہاؤس لاہور

ٹمپل روڈ ✿ سوہا بازار

۳۱۱۴۰ — ۳۰۴۳۳۳ ۶۴۴۳۳ — ۵۶۴۷۹

پروپرائیٹر: اے وحید

بسم الله الرحمن الرحيم

سانیو

SANYO

AIRCONDITIONERS REFRIGERATORS & FREEZERS

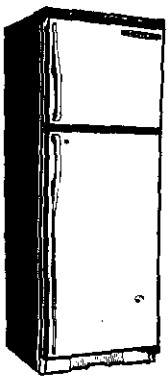

NO-FROST REFRIGERATORS

with exclusive features

- Two door with built-in lock.
- Spacious freezer compartment with drainage system, a new feature.
- Indicator pilot light on front door.
- In 4 pleasing colours (Green, Gold, Almond and White).
- One Year free service and 5 Years Guarantee on Compressor.

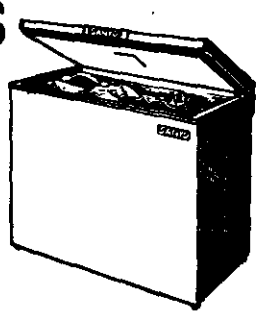

CHEST/UPRIGHT FREEZERS

AIR-CONDITIONERS

new in utility with higher efficiency

Capacity: 1½ Ton, 18000 BTU/h
Noiseless Operation.
Trouble Free Service. Auto Deflector (Swing System).
Brown Teak Wood finish Grill.

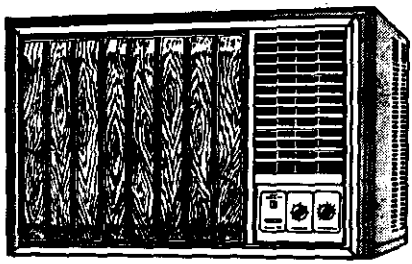

Available at all SANYO Authorised Dealers

MANUFACTURED/ASSEMBLED IN PAKISTAN

SPECIAL ATTENTION: Please ensure that you get your Worldwide Trading Company's 5 year Guarantee Certificate in order to avail free after Sales Service.

SOLE AGENTS IN PAKISTAN FOR ALL SANYO PRODUCTS

WORLDWIDE TRADING CO.

(SANYO CENTRE)
GARDEN ROAD, SADDAR, KARACHI. PHONE
CABLE: "WORLDBEST" TELEX: 25109 WWTCO PK

786/WW-109/83

فریش ویل
سوئٹس
پاکستانی تہذیب
کا آئینہ دار
صدیوں پرانی روایات کی حامل ہماری مٹھائیاں اور حلوہ جات یقیناً ہمارے ذائقے اور لذت کی غمازی کرتی ہیں۔ احمد نے اس قدیم پیشے کو جدید دور کے تقاضوں سے ہمکنار کیا اور اپنی مصنوعات کو بالکل منفرد انداز میں پیش کیا۔
دنیا کے ہر براعظم میں احمد کی مٹھائیاں اور حلوہ جات پاکستانی تہذیب اور روایات کی شناخت ہیں۔
ZAFRANI JAMAN
حلوہ جوزی
Freshwel
Freshwel
Freshwel
Freshwel
جدید ترین نائٹروجن پیکنگ پلانٹ پر سیلوفین پیکنگ کے ساتھ پیک کئے جاتے ہیں تاکہ تازگی اور خستگی ہمہ وقت برقرار رہے
ٹین کے لیڈ بغیر ٹن کٹر آسانی سے کھل جاتے ہیں۔
سوہن حلوہ
کراچی حلوہ
حبشی حلوہ
حلوہ جوزی
رس گلے
زعفرانی جامن
سوہن ڈیلائیٹ
تلے ہوئے مصالحہ دار بادام
AHMED
مٹھائیوں میں روایتی اور صنعتی معیار کے خالق
احمد کراچی حلوہ مرچنٹ لمیٹڈ
ڈی-۱۱۲، سائیٹ، کراچی۔ فون: ۹۵-۲۹۴۷۹۱

MASS

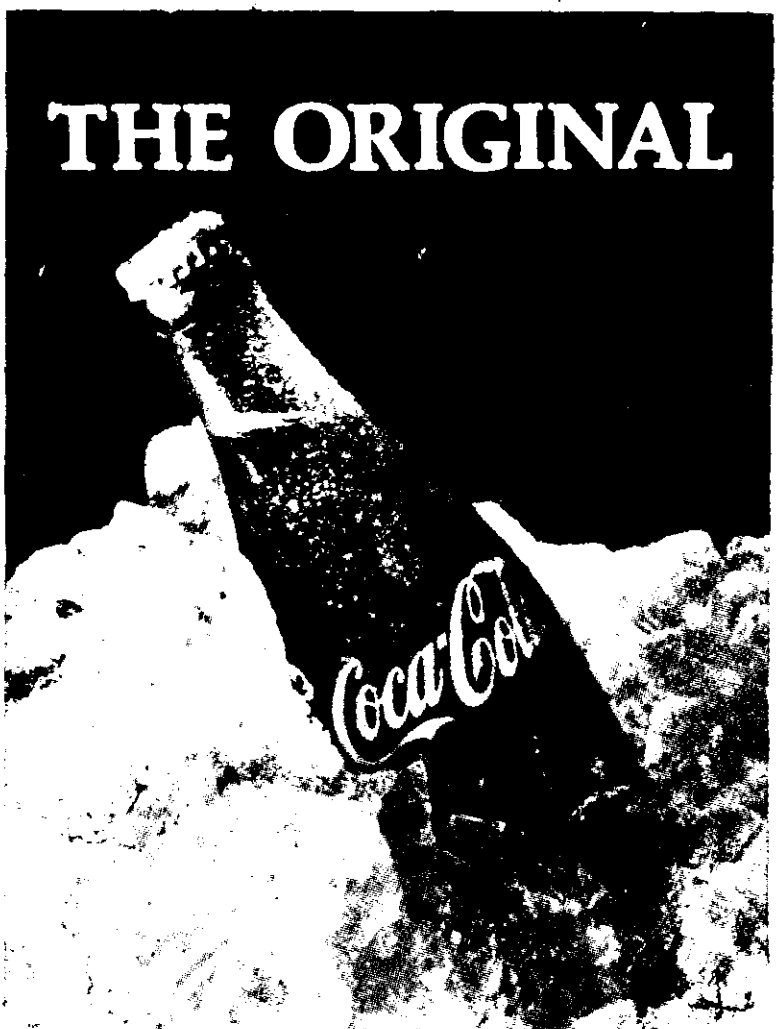

Ahmed Afzaal
192-G, BLOCK-2
P.E.C.H.S., KARACHI-29
Phone: 440803

paragon

افکار و آراء

اس عنوان کے تحت شائع شدہ آراء سے ادارہ کا بالکلیہ متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

خراجی زمین کے مسئلہ پر م۔ش (محمد شفیع) کا مکتوب!!

مکرم و محترم جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی خدمت اقدس میں یہ عریضہ عجلت میں لکھ رہا ہوں کیونکہ میرے پاس اس وقت آپ کو خط لکھنے کے لئے سفید کاغذ موجود نہیں۔ اور میرے جذبات کا تقاضا ہے کہ میں فوری طور پر آپ سے عرض کروں۔

اس مجمل اور مہمل تمہیدی پیرے کے بعد میں کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے 'میثاق' کے تازہ ترین شمارے میں ملکی مسائل پر جو تقریر ارشاد فرمائی ہے [1]۔ میں بعض جزئیات کو چھوڑ کر اس سے کلیۃً متفق ہوں۔ آپ نے پاکستان کی اراضیات کے متعلق ان کے خراجی ہونے کے مسئلہ پر جو ارشاد فرمایا ہے اس پر میں آپ کو تحسین اور آفرین کہتا ہوں۔ آپ کی آواز سے کے مدینے آمین!

موجودہ حکومت جو فوج۔ جاگیرداروں۔ سرمایہ داروں اور نوکرشاہی کے نمائندوں پر مشتمل ہے بوجوہ پاکستان کے عوام کے سیاسی مسائل کے لئے روایتی طور پر بھی ممد نہیں ہو سکے گی۔ ہم پر خونخوار طبقوں کے نمائندے مسلط ہو گئے ہیں انہیں آپ کا اسلام ہی۔ یعنی وہ اسلام جس کی آپ قرآن کریم کی روشنی میں تشریح فرماتے ہیں ختم کر سکتا ہے یعنی ایسا سیاسی دستور جو قرآنی اسلام پر مبنی ہو، موجودہ حکمران استحصال پرست طبقوں سے قوم کو نجات دلا سکتا ہے۔

بے چارے مسلمان داگھ سے لے کر کاسابلانکا تک فوجی ڈکٹیٹروں، بادشاہوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے آہنی چنگل میں گرفتار ہیں۔ سو کروڑ مسلمانوں پر مشتمل امّتِ محمدیہ اور ملّتِ ابراہیمیہ اپنے کردار سے محروم ہو چکی ہے۔ خدا کرے کہ عالم اسلام میں ہر جگہ پر ڈاکٹر اسرار احمد پیدا ہوں جو مسلمانوں کو مسلمان ڈاکو حاکموں سے نجات دلانے کا ذریعہ بن سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحتِ عاجلہ اور کاملہ عطا فرمائے۔ اور آپ کو اپنی امان میں رکھے۔ آمین!!

خاکسار: محمد شفیع (م۔ش)

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!!

مکرم جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ میثاق لاہور: السلام علیکم

حال ہی میں ایک دینی ادارے کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد کے خلاف شائع کردہ ایک پمفلٹ نظر سے

---

[1] مراد ہے ڈاکٹر صاحب کا خطاب جمعہ یکم مارچ ۸۵، شائع شدہ 'میثاق' بابت اپریل ۱۹۸۵ء (ادارہ)

گزرا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب کی بعض تحریروں اور تقریروں کے بعض جملوں کو اپنی طرف سے معانی و مفاہیم پہنا کر اور ان کی آڑ لیکر ڈاکٹر صاحب کی ذات اور ان کے دینی کام پر تنقیدیں ہی نہیں بلکہ مخالفت کی گئی ہے۔ اور اصرار ہو رہا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے تمام کام کی بساط لپیٹ دیں۔ یہ کام ان کے کرنے کا نہیں ہے۔ یہ صرف علماء حقانی کے کرنے کا کام ہے۔ اغلباً ان علماءِ حقانی سے ان کے خاص حلقے کے علماء مراد ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے انہوں نے ان علماءِ حقانی کی نشان دہی نہیں فرمائی ہے جو دین کا وہ فریضہ انجام دے رہے ہیں جس کی جد و جہد کے لئے ڈاکٹر صاحب نے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے۔ اگر ایسا کر دیتے تو بہت سے لوگوں کا بھلا ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۴۰۴ھ کے آخری جمعہ کو مسجد دارالسلام لاہور میں ایک تقریر کی تھی جو "قرآن کے نام پر اٹھنے والی تحریکات۔ ان کے بارے میں علماءِ کرام کے خدشات" کے عنوان سے "میثاق" کے ستمبر ۸۴ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔ اس تقریر میں ص۴۲ پر ڈاکٹر صاحب کی بات بایں الفاظ نقل ہوئی ہے:

"دوسری بات یہ کہ تقلیدِ جامد اور اجتہادِ مطلق کے درمیان ہمیں ایک معتدل راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ تقلیدِ جامد سے میری مراد کیا ہے! یہ کہ بس ایک فقہ کو اس طرح پکڑ کر بیٹھے ہیں کہ اس سے ذرا بھی ادھر یا ادھر نہ خود ہوں گے نہ برداشت کریں گے۔ انسان اس معاملہ میں اتنا زود حس اور الرجک ہو جائے کہ کسی دوسرے فقہ کی کوئی بات سامنے آئے تو وہ یہ سمجھے کہ میں کوئی اور ہوں اور یہ کوئی اور ہے۔ "من دیگرم تو دیگری" والا معاملہ ہو جائے۔ یہ درحقیقت وحدتِ امت کے لئے سخت نقصان دہ ہے۔ رہا عوام کا معاملہ تو ان کے بارے میں، میں کہوں گا کہ اتباعِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیت سے کسی ایک فقہ کو مستقلاً اختیار کرلیں تو مطلقاً کوئی حرج نہیں۔ وہ تو اپنے مسلک کے معتمد علماء سے جاکر فتویٰ لیں گے۔ انہیں کیا معلوم کہ اس معاملہ میں امام ابوحنیفہؒ کی دلیل کیا ہے۔ امام مالکؒ کی دلیل کیا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل کیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ کی دلیل کیا ہے۔ اگر معلوم بھی ہو جائے تو ان میں اتنا فہم نہیں ہوتا کہ وہ موازنہ کر سکیں کہ کس کی دلیل قوی اور اقرب الی السنۃ ہے۔ لہٰذا ان کے لئے عافیت اسی میں ہے کہ وہ ایک فقہ کی پیروی کریں۔ چونکہ اہلِ سنت کے تمام فقہی مسالک و مکاتب کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔"

پھر اسی تقریر میں "میثاق" کے ص۵۰ پر ان کے خیالات بایں الفاظ بیان ہوتے ہیں:

"میں نے اس کے لئے ایک نئی اصطلاح وضع کی ہے۔ میں اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کر رہا ہوں۔ چونکہ بات سمجھانے کے لئے نئی اصطلاحات وضع کرنی پڑتی ہیں۔ اصلاً یہ اصطلاح میں نے اپنے فقہی موقف کے لئے وضع کی ہے۔ میں اپنے بارے میں کہتا ہوں کہ میں نیم مقلد

ہوں۔ میں مقلد ہوں پانچ کا، صرف ایک کا نہیں۔ چار تو اہل سنّت کے متفق علیہ ائمہ ہیں اور پانچویں امام بخاریؒ جن کی کتاب کے متعلق سب مانتے ہیں کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" میں ان پانچ کے دائرے کے اندر اندر رہنے میں اپنے لئے عافیت سمجھتا ہوں۔ اللہ کرے کہ مستقبل میں اللہ تعالیٰ کسی ایسی عظیم شخصیت کو کھڑا کر دے جس کے تقویٰ، جس کے تدین، جس کے فہم دین، جس کی اصابت رائے، جس کے خلوص و اخلاص پر امت کے بڑے حصہ کا بالخصوص علمائے حق کی اکثریت کا اجماع ہو جائے تو وہ تمام فقہی مسالک میں عمیق غور و فکر کے بعد پوری للّٰہیت اور خدا ترسی کے ساتھ امت کو ایک فقہی مسلک پر مجتمع کر دے تو کر دے اور کسی مسئلہ کے متعلق دین کے دائرے کے اندر اجتہادِ مطلق کر دے تو کر دے[1]۔ اس دور میں میرے نزدیک ہم جیسے چٹھے بھیسے اس طرح کی حرکت کریں گے تو دین کے خلاف بغاوت اور ایک بہت بڑے فتنہ کا آغاز کرنے کا باعث بنیں گے۔ رہیں اس دائرے کے اندر لیکن یہ نہیں کہ بس ایک ہی ہو۔ عوام کا معاملہ اور ہے وہ اپنے مسلک کے مطابق عمل بھی کریں اور روزمرّہ کے مسائل میں اپنے ہی مسلک کے معتمد علماء کی طرف رجوع کریں۔"

ہر وہ شخص جو نظرِ انصاف سے کام لے ان دونوں عبارتوں سے بآسانی یہ بات اخذ کر سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے فقہی مسائل میں اگر توسّع کی خواہش ظاہر کی ہے تو وہ وحدتِ امت کے جذبے سے کی ہے اور اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ فقہی اصطلاحات کی وجہ سے جو مغائرت پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو سکے ـــــ نہ کہ وہ ایک نئی فقہ مدوّن کرنے کی تحریک و دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ عامۃ الناس کے لئے اتباعِ سنّت کی نیت سے ایک ہی فقہ کی پیروی میں عافیت سمجھتے ہیں ـــــ دوسرے پیراگراف میں بھی ڈاکٹر صاحب نے صرف اپنی حد تک یہ اجازت چاہی ہے کہ اہلِ سنّت کے چاروں ائمہ فقہاءؒ اور امام بخاریؒ کے مسالک کے اندر اندر ایک خادم اور داعیٔ دین کی حیثیت سے جس مسلک کو وہ اقرب الی الکتاب والسنّۃ خیال کریں، اختیار کر لیں۔ اس میں بھی رخصت کی بجائے عزیمت ان کے پیشِ نظر ہے جس کی وضاحت وہ دسمبر کے شمارے میں کر چکے ہیں ـــــ پھر کسی ایسی عظیم شخصیت کے پیدا ہونے کی بات ایک آرزو اور تمنّا کی حد تک بیان کی گئی ہے۔ جس کی للّٰہیت و تقویٰ پر علماءِ امت کی اکثریت کو اطمینان ہو اور جو تمام فقہی مکاتب میں عمیق غور و فکر سے کسی ایک فقہ پر پوری امت کو مجتمع کر دے۔

ولیسے مندرجہ بالا اقتباسات سے بھی یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ ڈاکٹر صاحب ایک نئی فقہ کی تدوین کی تحریک و دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں اور اسلام کے لئے وہ بزعم خود اس کا اہل سمجھتے ہیں لیکن بعض علماء نے ڈاکٹر صاحب کی باتوں کو یہی معانی و مفاہیم پہنا کر ایک دینی جریدے میں شدید تنقیدیں کیں ـــ ڈاکٹر صاحب نے بحث میں الجھنے کے بجائے اپنی کج مج بیانی اور مرتّب کی کوتاہ فہمی تسلیم کر کے ماہِ دسمبر ۸۴ء کے

میثاق کے شمارے میں صفحہ ۲۴ پر تحریر کیا:

"راقم .... حضرات سے درخواست کرتا ہے کہ اس بحث میں نہ الجھئے کہ تہاری تقریر کا مطلب تو وہی نکلتا ہے جو ہم نے نکالا تھا۔ اس لئے بھی کہ کم ازکم میں خود اپنی اور بھائی جمیل الرحمٰن صاحب کی (جنہوں نے اس تقریر کو کیسٹ سے منتقل کر کے مرتب اور شائع کیا تھا) کی تقصیر تو پہلے ہی تسلیم کر چکا ہوں اور اس لئے بھی کہ کم ازکم 'بقید حیات' لوگوں کے بارے میں یہ حق مسلّم طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ اپنے قول کی تاویل کا حق انہیں حاصل رہتا ہے! چنانچہ "تاویلُ القولِ بمالایرضیٰ بہِ القائل" کو سب ہی غلط سمجھتے ہیں۔"

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اسی تحریر میں صفحہ ۲۶ پر اپنے قول کی بایں الفاظ صراحت کی:

"...... میں واضح الفاظ میں صراحت کرتا ہوں کہ میرے اس قول سے مراد صرف اس درجے میں 'امکان' کو تسلیم کرنا ہے جس درجے میں ہم عموماً 'بفرض محال' کسی بات کا ذکر کرتے ہیں۔ میں اس سے قطعی اعلانِ برأت کرتا ہوں کہ میں اس کا داعی یا مبلغ یا کسی درجے میں بھی مجوّز و محرّک ہوں .... میں واضح کئے دیتا ہوں کہ میں اپنے بارے میں کسی ایسے گمان سے پہلے میں اسے پسند کروں گا کہ زندہ آگ میں جلا دیا جاؤں۔ واللہ علیٰ مااقول وکیل۔"

ڈاکٹر صاحب کی جانب سے ان واضح تصریحات کے بعد بحث کو اصولاً ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن وائے حسرتا! کہ ایک دینی شخصیت نے اپنا یہ دینی فرض سمجھا ہے کہ تقلید، عدم تقلید، نیم تقلید کو دین کا اہم بالشان مسئلہ بنا کر ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو زیادہ سے زیادہ مجروح کیا جائے اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر ہر فقہ کے ماننے والوں کا دعوت الی اللہ، دعوت عبادت رب، فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لئے موصوف جو ایک قافلہ ترتیب دینے کی جدوجہد کر رہے ہیں وہ کامیاب نہ ہو ــــ ان صاحب علم کی بظاہر خواہش یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کام رک جائے اور قافلہ ترتیب ہونے نہ پائے۔ اسی لئے شاید وہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کو مجروح کرتے اور اس کے کام کو بڑھنے سے روکنے کو فی الوقت دین کا سب سے اہم اور ضروری کام سمجھتے ہیں۔ ملک میں غیر اسلامی نظریات کا غلبہ مشرکانہ اوہام اور بدعات کا فروغ نہ ان کو نگاہوں میں کھٹکتا ہے اور نہ ہی اسلامی تعلیمات، اسلامی شعائر کا جو کھلم کھلا استہزاء اور مثلہ ہو رہا ہے اس سے ان کی حمیت وغیرت دینی جوش میں آتی ہے ــــ بہرحال ان کے حق میں دعا ہے کی جاسکتی ہے اور قرآن حکیم کے اس اٹل قاعدہ پر اس گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے کہ: "کُلٌّ یَّعْمَلُ علیٰ شَاکِلَتِہٖ"

احقر: ظفر اقبال۔ کراچی۔

Adarts HRA 2/85

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

192-G, BLOCK-2
P.E.C.H.S., KARACHI-29
Phone: 440803

مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

سیرتِ نبوی کے ضمن میں دو عظیم تحفے

ڈاکٹر اسرار احمد

صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور و امیر تنظیم اسلامی
کے دروس تقاریر کے دو مجموعے ▬ اعلیٰ و دبیز کاغذ پر خوشنما طباعت کے ساتھ

★ رسول کامل ★

یعنی پاکستان ٹی وی سے نشر شدہ ۱۲ تقاریر کا مجموعہ اور

فرائضِ دینی اور اسوۂ رسولؐ

سورۂ احزاب رکوع ۳،۲ کی روشنی میں

وقت کے اہم نازک و زیر بحث موضوع

اسلام میں عورت کا مقام

پر ڈاکٹر اسرار احمد

کا مدلل و مفصل خطاب

کتابی شکل میں شائع ہو گیا ہے

عورت اقبال کے کلام میں

ملنے کا پتہ

قرآن اکیڈمی کا ایک اور تعلیمی و تربیتی پروگرام:

موسم گرما کی تعطیلات کے دوران

نوجوان طلبہ کیلئے ایک ۲ دو ماہی کورس

یکم جولائی تا ۲۹ راگست ۸۵ء

جس میں

وہ طلبہ داخل ہوسکیں گے جو کالجوں میں زیرِ تعلیم ہوں یا کم ازکم میٹرک کا امتحان دے چکے ہوں اور انہیں ساٹھ دنوں میں:

★ تجوید قرآن ★ عربی زبان کے بنیادی قواعد

★ مطالعہ قرآن وحدیث کا منتخب نصاب

★ سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ــــــ اور

★ فرائض دینی کے جامع تصور کی وضاحت پر مشتمل

اساسی لٹریچر کا مطالعہ کرایا جائے گا!

تدریس کے اوقات صبح ۸ تا ایک بجے دوپہر ہوں گے لہٰذا لاہور سے تعلق رکھنے والے طلبہ اپنے گھروں پر مقیم رہتے ہوئے ان اوقات میں استفادہ کرسکیں گے۔

البتہ شام کے وقت اور فجر کے بعد کچھ اضافی تربیتی پروگرام بھی ہوگا جس سے صرف وہی طلبہ مستفید ہوسکیں گے جو قرآن اکیڈمی میں مقیم رہیں گے

(ایسے طلبہ کو دو ماہ کے اخراجاتِ طعام کے ضمن میں پانچ صد روپیہ ادا کرنا ہوگا۔ البتہ ایک محدود تعداد میں غیر مستطیع طلبہ کے لیے رعایت کی گنجائش رکھی جائے گی)

شرکت کے خواہشمند طلبہ زیادہ سے زیادہ پندرہ جون تک درخواست بھیج دیں۔

المعلن: قمر سعید قریشی، ناظم اعلیٰ، مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۱ / ۲۳۹۳۱

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **MEESAQ**

LAHORE

Vol. 34	JUNE 1985	No. 6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ

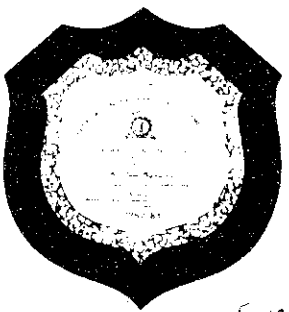

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے، ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجا طور پر شرف حاصل ہے۔

SNDS

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس کی مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵، شاہراہ قائد اعظم لاہور، پاکستان

فون: ۳۰۶۴۶۶ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ، ٹیلکس: 44543 NOOR PK

ایکسپورٹ آفس: ۶۱۴-۶۱۶ کامرس سنٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ، کراچی، پاکستان

فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۱۰، تار: 'TARPAULIN'، ٹیلکس: 25480 NOOR PK